جلد 3/ شمارہ 6

تفقہ فی الدین کا داعی ادارہ

جون ۲۰۲۳ء

ماہنامہ

# مفاہیم

فقہ اکیڈمی کا ترجمان


- ٹیکنالوجی نے ہمیں کیسے تبدیل کیا؟
- قرض دار پر قربانی
- معاشی آزادی، دولت کی غیر مساویانہ تقسیم اور کرپٹو کرنسی

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

اقبال

ماہ نامہ
# مفاہیم
کراچی

فقہ اکیڈمی کا ترجمان | تفقہ فی الدین کا داعی ادارہ


سرپرستِ اعلی

حضرت مولانا مفتی نذیر احمد ہاشمی صاحب

مدیر

صوفی جمیل الرحمن عباسی

نائب مدیر

مولانا حماد احمد ترک

مجلسِ مشاورت

- ڈاکٹر محمد رشید ارشد
- مفتی اویس پاشا قرنی
- مولانا معراج محمد
- مولانا سید اسامہ علی
- مولانا ابرار حسین
- مولانا عابد علی بھٹی



فقہ اکیڈمی

C-335، بلاک-1، گلستان جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی، پاکستان۔ 3474 3662 21 92 + | 3474 3661 21 92 +

FIQHACADEMY.COM.PK FIQHACADEMY FIQHACADEMYPK +92 330 3474223

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مضامین


| | | | |
|---|---|---|---|
| نعت | اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب | ظفر علی خاں | ۴ |
| اداریہ | جھونکا......مگر کس کا؟ | مدیر | ٦ |
| درسِ قرآن | قرآن اور فلسفۂ قربانی | مولانا محمد اقبال | ۹ |
| درسِ حدیث | بندۂ مومن کے پسندیدہ اوصاف | ابنِ عباس | ۱۸ |
| تنقیدِ مغرب | ٹیکنالوجی نے ہمیں کیسے تبدیل کیا؟(۴) | ڈاکٹر محمد رشید ارشد | ۲۴ |
| مقالات | شوکتِ سنجر و سلیم (۷) | مولانا حماد احمد ترک | ۲۹ |
| مقالات | بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۲۱) | صوفی جمیل الرحمٰن عباسی | ۳۴ |
| مقالات | معاشی آزادی، دولت کی غیر مساویانہ تقسیم اور کرپٹو کرنسی | ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی | ۴۰ |
| یسئلونک | قرض دار پر قربانی | دارالافتاء، فقہ اکیڈمی | ۴۵ |
| فقہیات | قربانی کے فضائل و مسائل | مفتی اویس پاشا قرنی | ۴٦ |

ظفر علی خاں (۱۸۷۳ـ۱۹۵۶ء)
معروف شاعر، تحریکِ آزادی کے سرگرم رکن

# اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب
صبحِ ازل ہے تیری تجلی سے فیض یاب

زینت ازل کی ہے تو ہے رونق ابد کی تو
دونوں میں جلوہ ریز ہے تیرا ہی رنگ و آب

چوما ہے قدسیوں نے تیرے آستانے کو
تھامی ہے آسمان نے جھک کر تیری رکاب

شایاں ہے تجھ کو سرورِ کونین کا لقب
نازاں ہے تجھ پہ رحمتِ دارین کا خطاب

برسا ہے شرق و غرب پہ ابرِ کرم ترا
آدم کی نسل پر تیرے احساں ہیں بے حساب

پیدا ہوئی نہ تیری مواخات کی نظیر
لایا نہ کوئی تیری مساوات کا جواب

خیر البشر ہے تُو، تو ہے خیر الامم وہ قوم
جس کو ہے تیری ذاتِ گرامی سے انتساب

یثرب کے سبز پودے سے باہر نکال کر
دونوں دعا کے ہاتھ بصد کرب و اضطراب

دنیا کے گوشے گوشے میں ہے گرچہ آج کل
امت تری رہینِ ستم ہائے بے حساب

حق سے یہ عرض کر کہ ترے ناسزا غلام
عقبٰی میں سرخرو ہوں تو دنیا میں کامیاب

*****

مدیر
ماہ نامہ مفاہیم، کراچی

# جھونکا ...... مگر کس کا؟

آوازِ پا پہ لگے کان کبھی باہر جھانک کر دیکھیں اور در پہ ''جھونکے'' کو دستک دیتا پائیں تو دل ڈر اور خوشی سے بیک وقت لبریز ہو جاتا ہے۔ واقعی ہوا کا جھونکا ہی تھا یا پیچھے کوئی ''بُوٹ'' چلا آتا تھا؟ جب سمجھ سے بالا صورتِ حال سے پالا پڑے تو ایسا ہی ہوتا ہے اور اس کیفیت کا ہم پہ غلبہ ابھی تک ہے کہ وہ کھٹکھٹانے والی کیا ہے؟ وہ بوٹ کی چاپ ہے یا بہار کی باد!! اور یہ کیفیت صرف یہیں نہیں بلکہ عالمِ اسلام پر شرق سے غرب چھائی ہوئی ہے۔ مملکتِ خداداد کی بات کریں تو ایک طوفانِ بدتمیزی جو تھمنے میں نہیں آ رہا تھا تھم گیا۔ اسے کچھ لگام دی گئی اور دی بھی انھوں نے ہی جنھوں نے اسے بے لگام کیا تھا۔ اب سمجھ میں نہیں آتی کہ انھوں نے پہلے ٹھیک کیا تھا یا اب غلط کر رہے ہیں اور آنے والے وقتوں میں وہ کیا کریں گے۔ کس کو ایڑ لگا کر بے لگام چھوڑیں گے اور کس کی لگام کھینچیں گے:

کون جانے کہ نئے سال میں تو کس کو پڑھے
تیرا معیار بدلتا ہے نصابوں کی طرح

۹ مئی کو جو ہنگام ہوا اور جو دھول اڑائی گئی، اس کا حساب شروع ہوا۔ بہت خوشی ہوئی کہ تعمیرِ وطن کے نام پر جو تخریب کاری کی گئی تھی اس کی سزا تو کسی کو ملے گی لیکن یہ حساب بے حساب نکلا۔ سانحے کے بہت سارے عملی اور دماغی مجرموں کو گرفتار کیا گیا لیکن سیاست سے یا کسی مخصوص گروہ سے اعلانِ لاتعلقی کو کافی سمجھا گیا۔ اکسانے کے الزام کو محض افسانہ بنا دیا گیا۔ توبہ توبہ کر کے کانوں کو ہاتھ جس نے لگا دیے اس کے ہاتھوں میں پھول تھما کر رخصت کر دیا گیا تو خوش ہوتے دلوں پر دکھ کی ایک لہر طاری ہو گئی کہ ''وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں'':

اک اور دریا کا سامنا تھا منیرؔ مجھ کو

میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

معاشی حوالے سے دیکھیں تو روایتی درآمدی منڈیوں کی جگہ نئی منڈیوں کی طرف آزادانہ رخ کیا گیا جس کے کچھ ثمرات ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ روپے کی قیمت میں کچھ ٹھہراؤ آیا، آٹے اور ڈیزل پٹرول کی قیمتوں میں کچھ کمی آئی۔ لیکن دل میں وہ ڈر باقی ہے۔ اس لیے کہ اپنی تو کچھ کمائی ہے نہیں، صرف یہ کہ ایک ساہوکار کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے ہیں، جانے وہ سہولت کار کب ساہوکاری شروع کردے۔ ٹھیک ہے جب تک وہ ٹھیک چلے گا ہم بھی ٹھیک چلیں گے۔ لیکن اس ٹھیک رویے کو ٹھیک طرح سے برتنے کے لیے ہمیں خود بھی ٹھیک ہونے کی ضرورت ہے کہ جس کا ہمیں احساس نہیں ہے۔

عالَم اسلام کے دوسرے حصوں سے بھی ہوا کے جھونکے آرہے ہیں۔ یہ ٹھنڈے کب تک رہتے ہیں وقت ہی کچھ بتائے گا۔ ترکی کے پارلیمانی اور صدارتی انتخابات ہوئے۔ مخالفین کی انتخابی اور پروپیگنڈہ مہم اتنی جاندار تھی کہ اس نے اسلام پسندوں کو ڈرادیا تھا (بلکہ ان کا تراہ نکال دیا تھا) لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اردگان اور ان کے حامیوں کو فتح سے نوازا۔ الیکشن سے قبل ایران اور سعودیہ کے تعلقات میں کچھ بہتری آئی تو الیکشن کے بعد سعودیوں نے ترکی اور ترکی نے سعودیہ میں اچھی خاصی سرمایہ کاری کرلی۔ کئی اچھی خبروں پر یہ نور علی نور ثابت ہوئی۔ یہ کچھ چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں ہیں جو آنے والے اچھے دنوں کی نوید سنا رہی ہیں۔ حالات خوش ہونے کے ہیں، دل خوش ہوتا بھی ہے لیکن خوش ہونا نہیں چاہتا بلکہ وہ اپنی خوشی پر قدرے ناخوش بھی ہے۔

ایک قرآنی اصول ہے کہ ”اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو بندے سے نہیں پھیرتا جب تک وہ اپنے جیوں کی حالت کو نہ بدلیں“ بالعکس اس کا یہ ہے کہ عام طور پر جب تک انسان اپنی نفسی اور اخلاقی حالت کو نہ بدلے تو اللہ کی طرف سے اس کے خارجی حالات نہیں بدلتے ۔ یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ مختارِ مطلق ہے، وہ اصولوں کا پابند نہیں بلکہ اصول اس کے فیصلوں کے پابند ہیں، وہ کوئی خصوصی حالات پیدا کرسکتا ہے اور خاص انعامات سے نواز سکتا ہے۔ اس خاص صورتِ حال کو ہمارے اعتبار سے معجزہ کہا جاسکتا ہے۔ پس جب

ہم اللہ کی رحمت پر نظر کرتے ہوئے حالات کی مثبت تبدیلی کو دیکھتے ہیں تو امید بندھ جاتی ہے لیکن جب اپنے حالات کو دیکھتے ہیں تو دل ڈر سا جاتا ہے:

اگلی محبتوں نے وہ نامرادیاں دیں

تازہ رفاقتوں سے دل تھا ڈرا ڈرا سا

اب ایسا کچھ کیا جائے کہ خوش کن حالات میں خوش ہونا ہمیں خوش آجائے۔ وہ جو دھڑکا لگا ہے وہ جاتا رہے اور دل کو اطمینان حاصل ہوجائے۔ یعنی خارج کی مثبت تبدیلی کو دیکھتے ہوئے ہم اپنے اندر بھی مثبت تبدیلیاں کریں۔ مثبت تبدیلی میں سب سے اہم بلکہ اصل کام توبہ ہے کہ ہم اپنے دینی واخلاقی، ذاتی واجتماعی چھوٹے اور بڑے گناہوں سے توبہ کریں۔ یہ درست کہ "آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں "لیکن گناہوں کو ہم نے بہت ہلکا لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گناہوں کو چھوٹا سمجھنا "گناہوں سے بڑا گناہ" ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ مَتَى يُؤْخَذْ بِهَا صَاحِبُهَا تُهْلِكْهُ». (مسند احمد) "بے شک حقیر سمجھے جانے والے گناہوں کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ کب بندے کو ہلاک کر دیں"۔ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ فرماں بردار اور نافرمان میں فرق گناہ کا نہیں بلکہ حساسیت کا ہے۔ فرماں بردار سے بھی کبھی گناہ ہوجاتا ہے لیکن وہ گناہ کو حقیر اور چھوٹا نہیں سمجھتا جب کہ اس کے برعکس نافرمان وہ ہے جو گناہ تو کرے لیکن پھر اسے چھوٹا اور حقیر سمجھے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ فِي أَصْلِ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ وَقَعَ عَلَى أَنْفِهِ». (مسند احمد) "بے شک مومن اپنے گناہوں کو یوں دیکھتا ہے کہ اس پر پہاڑ معلق ہے کہ گویا اس پر گرنے ہی والا ہے اور فاجر اپنے گناہوں کو یوں دیکھتا ہے کہ اس کے ناک پر مکھی تھی جو اس نے اڑا دی"۔ تو چاہیے یہ کہ اپنے گناہوں اور کمی کوتاہیوں سے صرفِ نظر کرنے کے بجائے ان پر توبہ واستغفار کیا جائے اور اپنی دینی وملی خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ بدلتے حالات میں خود کو بھی بدلیں اور اپنے نفسوں کی حالت کو بھی بدلنے کی کوشش کرتے رہیں تاکہ رب کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہوجائے۔

*****

مولانا محمد اقبال
رکنِ شعبہ تحقیق و تصنیف

# قرآن اور فلسفۂ قربانی

سورۃ الحج، آیت:۳۶ تا ۳۷

## قربانی کا مفہوم

لفظ قُربانی قَرُبَ یَقْرُبُ سے مصدر ہے جبکہ بعد میں اسے مفعول کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا جیسے رہن۔ عرف میں قربانی ہر اس فعل کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے خواہ وہ ذبیحے کی صورت میں ہو، صدقے کی صورت میں ہو یا کسی عملِ صالح کی صورت میں ہو۔ (اللباب في علوم الکتاب، ج:۶، ص:۹۴) جبکہ اصطلاحِ شریعت میں قربانی اس ذبیحے کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں قربانی کے لیے کہیں قربان اور کہیں منسک کا نام استعمال ہوا ہے۔

## قرآن کی نظر میں قربانی کی تاریخ

اگر ہم قربانی کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو قرآنِ حکیم کے مطابق قربانی کا تصور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے کسی نہ کسی شکل میں ہر قوم میں موجود رہا ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کے متعلق فرمایا گیا ہے: ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا ٱسْمَ ٱللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّنۢ بَهِيمَةِ ٱلْأَنْعَٰمِ﴾ (الحج:۳۴) ”اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی اس غرض کے لیے مقرر کی ہے کہ وہ ان مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انھیں عطا فرمائے

ہیں''۔اس آیت سے واضح ہوا کہ حلال جانور کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے ذبح کرنا حضرت آدم علیہ السلام ہی کے زمانے سے شروع ہوا اور پھر ہر امت کے لیے قربانی مقرر کی گئی۔قرآنِ کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا واقعہ مذکور ہے:﴿وَاتلُ عَلَيهِم نَبَأَ ابنَى اٰدَمَ بِالحَقِّ إِذ قَرَّبَا قُربَانًا فَتُقُبِّلَ مِن أَحَدِهِمَا وَلَم يُتَقَبَّل مِنَ الاٰخَرِ﴾ (مائدہ:۲۷)''اور (اے پیغمبر) ان کے سامنے آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناؤ، جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تھی، اور ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی، اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی''۔حضرت آدم علیہ السلام کے ان دونوں بیٹوں کا نام کیا تھا اور انھوں نے کیا قربانی پیش کی، اس کے متعلق امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے ہابیل اور قابیل، ان میں سے ایک نے بکری کی قربانی پیش کی، جبکہ دوسرے نے کھیت کی پیداوار میں سے کچھ ترکاری صدقہ کرکے قربانی پیش کی، چنانچہ بکری کی قربانی دینے والے کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے بھائی نے اسے قتل کردیا''۔(جامع البيان في تأويل القرآن،ج:۱۰،ص:۲۰۴)اس واقعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حلال جانور کی قربانی کا طریقہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہے اور اس کا تصور پہلے ہی سے تھا۔آیت کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ہر امت میں قربانی کا یہ سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے اولو العزم فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اللہ کی راہ میں پیش کردی۔قرآنِ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا ذکر خصوصی طور پر کیا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ذبح کرنے کا فیصلہ کیا۔یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک شام سے وادیٔ بطحا میں تشریف لائے تو اپنے ساتھ اپنی اہلیہ محترمہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو بھی ساتھ لائے۔چونکہ اُس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہیں تھی، آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:﴿رَبِّ هَب لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ﴾ ''میرے پروردگار! مجھے ایک ایسا بیٹا دے دے جو نیک لوگوں میں سے ہو''۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی:﴿فَبَشَّر نٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ﴾ ''چنانچہ ہم نے انھیں ایک بردبار لڑکے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی خوش خبری دی''۔اس

خوش خبری کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی صورت میں ایک عظیم بیٹا عطا فرمایا۔ پھر جب حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں راہِ خدا میں قربان کرنے کا حکم دیا۔ قرآنِ کریم اس کا نقشہ یوں کھینچتا ہے: ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرٰى فِي المَنَامِ أَنِّيٓ أَذبَحُكَ فَانظُر مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓأَبَتِ افعَل مَا تُؤمَرُ، سَتَجِدُنِيٓ إِن شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِينَ﴾ ”پھر جب وہ لڑکا ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو انھوں نے کہا: بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمھیں ذبح کر رہا ہوں، اب سوچ کر بتاؤ، تمھاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا: ابا جان! آپ وہی کیجیے جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے“۔ یہ حکم اگرچہ خواب میں دیا جا رہا تھا، لیکن انبیاے کرام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، چنانچہ باپ بیٹے دونوں نے اسے اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے ہوئے یہ طے کیا کہ باپ بیٹے کو ذبح کرے گا، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا فیصلہ کیا۔ باپ بیٹے دونوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے میں کوئی کمزوری نہیں دکھائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکمِ خداوندی کی تعمیل میں جب اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے پیشانی کے بل لٹایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بطورِ معجزہ انھیں یہ کرشمہ دکھایا کہ اپنی طرف سے ایک مینڈھا بھیجا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے چھری اس پر چلی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام زندہ سلامت رہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے کہ: ﴿وَنَادَينٰهُ أَن يّٰٓإِبرٰهِيمُ ۞ قَد صَدَّقتَ الرُّءيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجزِي المُحسِنِينَ ۞ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ البَلٰٓؤُا المُبِينُ ۞ وَفَدَينٰهُ بِذِبحٍ عَظِيمٍ﴾ ”اور ہم نے انھیں آواز دی کہ: اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلا ہوا امتحان تھا۔ اور ہم نے ایک عظیم ذبیحے کا فدیہ دے کر اس بچے کو بچا لیا“۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے لختِ جگر کو قربان گاہ پر ذبح کرنے کے لیے لٹایا، یہ اتنے بڑے عزم اور صبر والا کام تھا کہ قرآنِ کریم نے اسے ”کھلا ہوا امتحان“ قرار دیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے بعد دیگر انبیاے کرام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ رائج رہا، جب حضور ﷺ نے بنی اسرائیل کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے حضور ﷺ سے جس معجزے کا مطالبہ کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

بنی اسرائیل میں بھی قربانی کا تصور تھا۔ قرآنِ کریم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے: ﴿الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّى يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ﴾(آلِ عمران:۱۸۳) ”یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ: اللہ نے ہم سے یہ وعدہ لیا ہے کہ کسی پیغمبر پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جسے آگ کھا جائے“۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پچھلے انبیاے کرام کے زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کے لیے کوئی جانور قربان کرتا تو اس کا گوشت کھانا حلال نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ جانور ذبح کر کے کسی میدان میں یا ٹیلے پر رکھ دیا جاتا تھا پھر اگر اللہ تعالیٰ قربانی قبول فرماتے تو آسمان سے ایک آگ آکر اس قربانی کو کھا لیتی تھی۔ (جامع البیان في تأویل القرآن، ج:۶، ص:۲۸۴) جبکہ حضورِ اکرم ﷺ کی شریعت میں قربانی کا گوشت انسانوں کے لیے حلال کر دیا گیا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کی قربانی کا تصور بنی اسرائیل کی شریعت میں بھی رہا ہے۔ جہاں تک بنی اسرائیل کا نبی کریم ﷺ سے اس معجزے کا مطالبہ کرنے کی بات ہے تو اس سلسلے میں قرآنِ کریم نے ان کے اس مطالبے کو محض بہانہ قرار دیا اور ان کی اس فرمائش کی تکمیل سے انکار کر دیا۔ اس لیے کہ ایمان لانا ان کے پیشِ نظر تھا ہی نہیں، بلکہ یہ محض ان کی طرف سے بہانہ بازی تھی۔ قرآن نے انھیں یاد دلایا کہ سابقہ انبیاے کرام نے جب تمھاری یہ فرمائش پوری کی تب بھی تم ایمان نہیں لائے، بلکہ تم تو انبیاے کرام کو قتل کرتے رہے ہو: ﴿قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾(آلِ عمران:۱۸۳) ”تم کہو کہ: مجھ سے پہلے تمھارے پاس بہت سے پیغمبر کھلی نشانیاں بھی لے کر آئے اور وہ چیز بھی جس کے بارے میں تم نے (مجھ سے) کہا ہے۔ پھر تم نے انھیں کیوں قتل کیا اگر تم واقعی سچے ہو؟“۔ اسی طرح ان کا یہ دعویٰ بھی حقیقت پر مبنی نہیں تھا کہ اللہ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ کسی پیغمبر پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جسے آگ کھا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ مطلق نہیں ہے بلکہ اس شرط پر موقوف ہے کہ: ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ ”میرا یہ عہد ظالموں کو شامل نہیں ہے“۔ یعنی اولادِ ابراہیم میں سے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقش پر نہیں چلے گا اسے دینی اعتبار سے کسی منصب کا حق دار نہیں ٹھہرایا جائے گا،

اور فرمائشی معجزے بھی ایک طرح سے عزت و شرف کی بات ہے جو ظاہر ہے بنی اسرائیل کی سرکشی کے بعد انھیں حاصل نہیں ہے۔ بہر حال، اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ قربانی کا تصور امت مسلمہ سے پہلے دیگر امتوں میں بھی رہا ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جنابِ رسول اللہ ﷺ تک ساری امتوں میں اس کا حکم باقی رہا ہے۔ البتہ اس کی ایک خاص پہچان تب بنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ذبح کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس واقعے کی یادگار کے طور پر امت محمدیہ پر قربانی کو واجب قرار دیا گیا۔

## قربانی کی فضیلت و مشروعیت

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قربانی کے دن اللہ کے نزدیک آدمی کا سب سے محبوب عمل خون بہانا یعنی قربانی کرنا ہے۔ قیامت کے دن قربانی کے جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئیں گے اور یہ کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے قبولیت کا درجہ حاصل کرلیتا ہے، اس لیے خوش دلی کے ساتھ قربانی کرو“۔ (ترمذی: ۱۴۹۳) سابقہ امتوں کی طرح امت مسلمہ پر بھی قربانی واجب قرار دی گئی ہے۔ چونکہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی راہِ خدا میں قربانی کا عظیم جذبہ اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ اس واقعے کی یادگار کے طور پر حضور اکرم ﷺ کی امت کے لیے بھی ہر سال اسی تاریخ کو قربانی کی مشروعیت کا حکم آیا۔ اب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جانوروں کی قربانی کرنا ایک خاص عبادت بن گیا اور اس عمل کو مّلتِ ابراہیمی کے خصائص اور شعائر اللہ میں سے قرار دیا گیا۔ لہٰذا اب ہر بالغ صاحبِ نصاب پر عیدالاضحیٰ کے دن قربانی کرنا واجب ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (سورۃ الکوثر) ”تم اپنے پروردگار (کی خوش نودی) کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو“۔ حضرت ابنِ عباس، حضرت حسنِ بصری، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ اور حضرت عِکرمہ رضی اللہ عنہم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس میں نحر سے مراد عید الاضحیٰ کی قربانی ہے۔ (جامع البيان في تأويل القرآن، ج:۲۶، ص:۶۵۴) اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«يَأَ يُّهَا النَّاسُ عَلٰى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُضْحِيَّةٌ». (ترمذی:۱۵۱۸) "اے لوگو! ہر گھر والے (صاحبِ نصاب) پر ہر سال ایک قربانی کرنا لازم ہے"۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: «مَنْ وَجَدَ سَعَةً وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبْنَا فِي مَسَاجِدِنَا». (سنن الدار قطني:۴۷۴۳) "جو مالی وسعت واستطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری مساجد میں نہ آئے"۔

## آیاتِ مبارکہ کی تفسیر وتوضیح

قربانی کی تاریخ کا جائزہ لینے اور اس کی فضیلت و مشروعیت کے بیان کے بعد مذکورہ آیات کی مختصر تشریحات وتوضیحات پیشِ خدمت ہیں:

## قربانی شعائر اللہ میں سے ہے

شعائر اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ مخصوص عبادات ہیں جن کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے اور جن کی اللہ تعالیٰ کی ذات سے خصوصی نسبت ہے۔ شعائر اللہ کی تقدیس اور احترام اہلِ ایمان کے اعتقادات کا حصہ بن گیا ہے، ان شعائر میں سے قربانی بھی ہے۔ اس کے متعلق ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ﴾ "اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے تمھارے لیے اللہ کے شعائر میں شامل کیا ہے، تمھارے لیے ان میں بھلائی ہے"۔ اس آیت میں "بدن" "بَدَنَةٌ" کی جمع ہے، بدنہ کے معنیٰ اونٹ اور گائے کے ہیں، جبکہ "شعائر" "شَعِيرَةٌ" کی جمع ہے، شعیرہ کے معنی ہیں علامت، یہاں اس کا مطلب ہے کہ قربانی کے جانور موسمِ حج میں دینِ الٰہی کی نشانی اور علامت ہیں۔ (التفسير الوسيط للقرآن الكريم، ج:۶، ص:۱۲۱۹) جمہور کے نزدیک بدنہ سے مراد اونٹ اور گائے ہے۔ جبکہ ایک قول کے مطابق بدنہ کا اطلاق صرف اونٹ پر ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے: "جو شخص جمعے کے دن غسلِ جنابت کی طرح غسل کرے، پھر اوّل وقت میں مسجد جائے، گویا اس نے ایک اونٹ کی قربانی دی، اور جو دوسری ساعت میں مسجد پہنچ جائے، گویا اس نے ایک بیل یا گائے کا

صدقہ دیا"۔(مؤطا امام مالک: ۳۳۴)اس حدیث میں حضور ﷺ نے بدنہ اور بقرہ میں تفریق کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدنہ سے مراد صرف اونٹ ہے، گائے نہیں ہے۔ اسی طرح ﴿فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا﴾ کا وصف اونٹوں کا ہوتا ہے کہ وہ نحر کے لیے قطار میں کھڑے کیے جاتے ہیں، پھر نحر کرنے کے بعد ذبح ہو کر ان کے پہلو زمین پر گر جاتے ہیں، اور اس کے برعکس گائے بکری وغیرہ کو ذبح کے لیے شروع سے لٹایا جاتا ہے۔ (الجامع لأحکام القرآن، ج:۱۲، ص:۶۱) مذکورہ آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر احسان کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ جانور پیدا کیے اور پھر ان جانوروں کی قربانی کو دین کے شعائر میں سے قرار دیا۔ اور اس کے ساتھ اس قربانی میں تمھارے لیے بھلائی بھی رکھی، یہ بھلائی دنیا کے اعتبار سے بھی ہے کہ ان جانوروں کے گوشت سے استفادہ کیا جاتا ہے جبکہ آخرت کے اعتبار سے بھی ہے کہ یہ قربانی باعثِ اجروثواب ہے۔ ﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ "چنانچہ جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں، ان پر اللہ کا نام لو، پھر جب (ذبح ہو کر) ان کے پہلو زمین پر گر جائیں تو ان (کے گوشت) میں سے خود بھی کھاؤ، اور ان محتاجوں کو بھی کھلاؤ جو صبر سے بیٹھے ہوں، اور ان کو بھی جو اپنی حاجت ظاہر کریں۔ اور ان جانوروں کو ہم نے اسی طرح تابع بنا دیا ہے تاکہ تم شکر گزار بنو"۔ "صواف" کے معنیٰ ہیں جانوروں کو نحر کے لیے قطار میں کھڑا کرنا، "قانع" اس شخص کو کہتے ہیں جو حاجت مند تو ہے، مگر جو تھوڑا بہت اس کے پاس ہے اس پر قناعت کیے بیٹھا ہے اور اپنی حاجت کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتا، جبکہ "معتر" وہ شخص ہے جو اپنی حاجت کا اظہار کرتا ہے۔ (التفسیر الوسیط للقرآن الکریم، ج:۶، ص:۱۲۱۹) اس آیتِ مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ جب تم قربانی کے جانور قطار میں کھڑے کرو تو ان پر اللہ کا نام لو اور ذبح کرو۔ پھر ان جانوروں کے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ، اور ان سفید پوش ناداروں کو بھی کھلاؤ جو صبر و قناعت سے کام لے رہے ہیں، اپنی ضروریات و حاجات کا اظہار نہیں کر پا رہے، اور ان محتاجوں کو بھی کھلاؤ جو کسی مجبوری کے سبب اپنی حاجت ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان جانوروں پر ہم نے تمھیں قدرت دی ہے اور یہ اس لیے تاکہ تم شکر گزار بندے بنو۔

## قربانی کا مقصد اصلی تقویٰ ہے

اللہ تعالیٰ کے بندوں کا مقصدِ حیات عبادت ہے، کیونکہ عبادت ہی اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کے لیے ضروری ہے کہ عبادات میں اخلاص پیدا کیا جائے۔ چونکہ قربانی بھی ایک اہم عبادت ہے اور اس میں اخلاص پیدا کرنا مطلوب ہے، اسی اخلاص کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔ زیرِ مطالعہ آیتِ مبارکہ میں بھی قربانی کے اصل مقصد کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنكُم كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُم لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُم وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے، اس نے یہ جانور اسی طرح تمھارے تابع بنادیے ہیں تاکہ تم اس بات پر اللہ کی تکبیر کرو کہ اس نے تمھیں ہدایت عطا فرمائی، اور جو لوگ خوش اسلوبی سے نیک عمل کرتے ہیں، انھیں خوش خبری سنادو“۔ اس آیتِ کریمہ سے تقویٰ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان جانوروں کا خون یا ان کا گوشت نہیں پہنچتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس کے محتاج ہے، بلکہ ان جانوروں کا خالق وہی ہے، بس وہ تو اپنے بندوں کا تقویٰ دیکھنا چاہتا ہے۔ اور تقویٰ کی اہمیت کے متعلق سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہے: ﴿فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ ”بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے“۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ قربانی کے جانوروں کے خون سے اپنے گھر کی دیواروں کو رنگتے تھے، پھر جب مسلمانوں نے بھی یہی ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ: ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنكُم﴾ ”اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے“۔ (الجامع لأحكام القرآن، ج:١٢، ص:٦٥) یعنی اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانوروں کے گوشت اور خون کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ اللہ کے نزدیک تو تقویٰ کی اہمیت ہے، اور تمھاری قربانیوں اور دیگر اعمال کی اہمیت بھی اس وقت ہے جب ان میں اخلاص ہو۔ اور آگے ایسے لوگوں کو جو خوش اسلوبی سے اخلاص کے ساتھ نیک اعمال، جن میں قربانی بھی شامل ہے، بجالاتے ہیں، انھیں خوش خبری

سنادی گئی ہے۔

آیتِ مبارکہ کا سبق یہ ہے کہ قربانی کی اصل یہ نہیں کہ جانور کتنا موٹا تازہ ہے اور کیسا حسین وجمیل ہے، بلکہ قربانی کی اصل؛ قربانی کرنے والے کی دلی کیفیت سے عبارت ہے کہ وہ کتنے یقین وایمان، کتنے ذوق وشوق اور اجر وثواب کی کس قدر پختہ امید پر قربانی کر رہا ہے۔ گویا قربانی کی روح قربانی کرنے والے کی نیت ہے۔ قربانی کا مقصد اللہ کی رضا کا حصول ہے، اس لیے یہاں اس بات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی قربانیوں کو اللہ کی رضا کے لیے خالص رکھیں اور نمود ونمائش سے گریز کریں، تاکہ قربانی کا اصل مقصد ضائع نہ ہو۔

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تُو باقی نہیں ہے

* * * * *

ابنِ عباس
معاون قلم کار

# بندۂ مومن کے پسندیدہ اوصاف

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ، اِحْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَلَا تَعْجَزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا وَلَكِنْ قُلْ قَدَرُ اللهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ». (صحيح مسلم)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قوی اور صاحبِ قوّت مومن، کمزور مومن سے بہتر اور اللہ کا زیادہ پسندیدہ ہے، البتہ دونوں میں خیر ہی خیر ہے۔ ان امور کا شوقِ طلب رکھو جو تمھیں فائدہ دیں اور (ان امور کے حاصل کرنے میں) اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے (محنت کرو) اور لاچار مت بنو۔ اور اس کوشش کے بعد اگر کوئی بری صورتِ حال پیش آجائے تو (حسرت سے) یوں نہ کہو کہ میں ایسے کرلیتا تو یہ ہو جاتا اور میں ویسے کرلیتا تو وہ ہو جاتا، بلکہ یہ کہا کرو کہ یہ صورتِ حال اللہ کی طے شدہ تقدیر سے پیش آئی ہے اور جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے، کیونکہ کاش کا کلمہ شیطان کے عمل کا راستہ کھولتا ہے“۔

## تشریح

اس حدیثِ پاک میں طاقت ور مومن اور کمزور مومن کے تقابل کے بعد فرمایا گیا: «وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ»

''دونوں ہی میں خیر ہے''۔ ان الفاظ کی وضاحت میں شارحین لکھتے ہیں: ''قوی وضعیف دونوں قسم کے مومنین کا بہتر ہونا ایمان کی وجہ سے ہے جو دونوں کی صفتِ مشترک ہے البتہ یہ کہ اللہ نے اپنے بندوں میں فرق وتفاوت بھی رکھا ہے اور بعض پر بعض کے درجات بڑھائے ہیں''۔ یعنی بنیادی خیر اور بہتری جو ایمان کی بنیاد پر ہے دونوں کو حاصل ہے اس کے بعد حاصل شدہ وسائل واسباب اور طاقت وقوّت کی بنیاد پر ان کے درجات میں فرق وتفاوت پیدا ہوجاتا ہے اور بعض مومن، دوسروں سے زیادہ درجات پالیتے ہیں۔ (فتح المنعم شرح صحیح مسلم)

## قوّت کے معنی

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس روایت میں قوّت کا ذکر مقامِ مدح میں ہوا ہے۔ مذکورہ قوّت میں سب سے پہلے تو اعضا کی سلامتی اور بدنی طاقت شامل ہے۔ اس لیے کہ نیک بندہ اپنی جسمانی صحت کے ساتھ زیادہ اعمال کرسکتا ہے، طویل قیام کرسکتا ہے اور صیام وجہاد اور حج وغیرہ میں خوب محنت کرسکتا ہے۔ قوّت میں عزم وحوصلہ اور جرأت بھی داخل ہے کیونکہ انھی کی بنیاد پر آدمی جہاد اور نہی عن المنکر اور اس راستے میں پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرسکتا ہے۔ اسی طرح قوت میں اچھی مالی واقتصادی حالت بھی داخل ہے کیونکہ اسی کے ساتھ مومن اللہ کے راستے اور خیر کے کاموں میں خرچ کرسکتا ہے نیز یہ کہ ایسے بندے میں دنیا کی حرص بھی کم ہوتی ہے۔ قوّت میں یہ تمام پہلو شامل ہیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے''۔ (اکمال المعلم شرح صحیح مسلم)

بعض لوگوں نے اس حدیث میں قوّت سے، قوّتِ ایمان وعبادت ہی مراد لی ہے۔ حالانکہ حدیثِ مبارکہ میں قوی وضعیف دونوں کے لیے مومن کا لفظ لایا گیا جو ان کی اچھی ایمانی حالت پر دلالت کرتا ہے۔ استاذ دکتور موسیٰ لاشین اس فہم پر نقد کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''حق یہ ہے کہ اس حدیث کی رو سے ان تمام اطراف وجوانب میں قوّت وطاقت مطلوب ہے جو شریعت کے خلاف نہ ہوں، یہاں تک کہ زراعت اور کھیتی باڑی بھی اس میں داخل ہے اس لیے کہ اس میں صدقے کا اجر ملتا ہے۔ اسلام کی نصرت واشاعت اور غلبہ قوّت کے بغیر ممکن نہیں ہے اور اس میں ایمان وعقیدے کی قوّت بھی شامل ہے اور اسلحہ اور فوج کی قوّت

بھی اس میں داخل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (الانفال:٦٠) ”اپنی بساط بھر تیاری کرو قوّت (اسلحہ) اور بندھے (سدھے) گھوڑے جمع کرنے میں، جن سے تم اللہ اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے ہو“۔ (فتح المنعم شرح صحيح مسلم) ان تشریحات سے معلوم ہوا کہ ایمان وعبادت کے ساتھ ساتھ مادی وسائل، سائنس وٹیکنالوجی، زراعت کھیتی باڑی اور باغبانی وغیرہ میں ترقی حاصل کرنا اس مطلوب اور پسندیدہ قوت میں داخل ہے، جس کا ذکر حدیثِ زیرِ مطالعہ میں کیا گیا۔ اسی طرح معاشی اور اقتصادی ترقی واستحکام حاصل کرنا بھی اس حدیث کی رو سے مستحب ہے اس لیے کہ غربت کے سبب سوال وقرض وغیرہ کی برائیاں لاحق ہو جاتی ہیں، جو نہ صرف انفرادی اور اجتماعی غیرت وعزت کے منافی ہیں بلکہ ملک وقوم کو گروی رکھنے کے مترادف ہیں۔ مقروض قوم کی اپنی کوئی پالیسی نہیں ہوتی بلکہ وہ اشیاے خورد ونوش کے نرخ مقرر کرنے میں آزاد نہیں ہوتے۔ اس کی نمایاں مثال ہمارا اپنا ملک پاکستان ہے۔ پس مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ”مذکورہ بالا قوتیں“ جمع کرنے میں پوری طاقت صرف کریں۔

«اِحْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ» ”ان کاموں کا شوق رکھو جو تمھیں نفع دیں“۔ طاقت وقوّت کی تشریح میں جن امورِ مفیدہ کا ذکر کیا گیا۔ ان الفاظ میں انھی امور کی رغبت اور ان کو اختیار کرنے کی فکر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ شیخ موسیٰ لکھتے ہیں: زد تمسكا ورغبة فيما ينفعك في الدنيا والآخرة. ”دنیا اور آخرت میں فائدہ مند امور کے اختیار اور ان کی رغبت میں اضافہ کرو“۔ چونکہ انسان جن امور کی رغبت رکھتا ہے انھی کو حاصل کرنے کی سعی وجہد کرتا ہے، لہذا یہاں دنیا وآخرت کے مفید امور کی رغبت پیدا کرنے بلکہ زیادہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

«وَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَلَا تَعْجَزْ» ”اللہ سے مدد طلب کرو اور لاچار مت بنو“۔ ان الفاظ میں عمل اور سعی وجہد کی طرف اشارہ ہے۔ ان سے پہلے الفاظ میں قابلِ نفع امور کی حرص (شوق) کا ذکر ہوا تھا۔ اس کے بعد لاچارگی سے روکنے اور اللہ سے مدد طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جن قابلِ نفع چیزوں میں تم نے رغبت رکھی تھی

انھیں عملی طور پر حاصل کرنے کے لیے کوشش و محنت کرو۔ امام قرطبی رحمہ اللہ اس جانب متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: استعمل الحرص، والاجتهاد في تحصيل ما تنتفع به في أمر دينك ودنياك التي تستعين بها على صيانة دينك، وصيانة عيالك، ومكارم أخلاقك. (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم) ”اپنی رغبت و حرص کو عمل میں لاؤ اور نفع بخش امور کے حصول میں محنت کرو چاہے وہ دین کے متعلق ہوں چاہے دنیا کے متعلق، اس لیے ان امور کے حصول ہی سے تم اپنی دین داری کو بچا سکتے ہو اور اپنے اہل و عیال یہاں تک کہ اخلاق کو بھی اسی طریقے بچا سکتے ہو“۔ یہ بہت اہم ہدایت ہے، اگر ایک آدمی کے پاس اہل و عیال کی بنیادی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے رقم نہیں ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ ان کے حقوق ادا نہیں کر سکتا بلکہ اس کے رویے میں بھی خرابی در آنے کا امکان ہے۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے، اس خراب طرزِ عمل کی انتہائی مثالیں ہمارے معاشرے میں دیکھی گئیں، جہاں کسی نادار ماں یا باپ نے غربت سے تنگ آ کر بچوں کے گلے میں برائے فروخت کا طوق ڈال دیا اور کبھی کسی نے ان کے گلے پر چھری پھیر دی یا کسی نے بچوں کو زہر دے کر خود بھی زہر نوش کرنے میں عافیت سمجھی۔ اگرچہ ناداری میں صبر و قناعت پر اجر و ثواب کی بہت امید ہے، لیکن یہ آسان نہیں ہے بلکہ بعض اوقات مال کی کمی کی وجہ سے انسان دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کر بیٹھتا ہے جو اعلیٰ اخلاق کے منافی ہے۔ جو ملک و قوم مالی طور پر کمزور ہوتی ہے وہ ”عالمی گداگر“ بن کر رہتی ہے، قوموں اور ملکوں میں نہ اس کی عزت ہوتی ہے اور نہ وقار، پس چاہیے کہ انفرادی اور ملکی سطح پر شریعت کی حدود میں رہ کر بہتری پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی رہے۔ حدیثِ مبارکہ میں کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ چاہیے کہ انسان اپنی جائز ضروریات کے حصول کے لیے محنت کرے اور اس محنت کی کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے۔ اپنی طرف سے محنت اور خدا تعالیٰ سے دعا پر انسان نے اپنا کام کر دیا اب نتیجے کو اللہ کے حوالے کر دے۔ یہی وہ تسلیم و رضا ہے جس کی دین نے تعلیم دی ہے، چنانچہ دکتور موسی لاشین فتح المنعم میں لکھتے ہیں: ”قناعت و رضا پوری محنت اور طلب و کوشش کے بعد اختیار کی جاتی ہے“۔

## کلماتِ حسرت کی ممانعت

«وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ، فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلَكِنْ قُلْ قَدَرُ اللهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ» ”اگر تمھیں کوئی مصیبت لاحق ہوجائے تو یہ مت کہو کہ میں اگر یوں کرلیتا تو یہ ہوتا اور وہ ہوجاتا بلکہ یہ کہو کہ جو ہوا وہی اللہ کی تقدیر میں طے تھا، اور جو وہ چاہتا ہے وہ کرتا ہے اس لیے کہ اگر مگر اور کاش کا جملہ شیطان کا عمل دخل کھولتا ہے“۔ امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کلمہ لَو کہنا (یا کسی واقعے کے بعد کہنا کہ میں یوں کرتا تو یوں ہوتا) اس صورت میں ممنوع ہے کہ انسان اسباب پر تکیہ کرتے ہوئے، اللہ کے فیصلے کو ناپسند اور اعتراض کرتے ہوئے یہ جملہ ادا کرے جیسا کہ منافقین نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا تھا: ﴿لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُو﴾ ”اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ کیے جاتے“۔ پس کوشش کے بعد جب نتیجہ ہماری کوشش کے برخلاف ظہور پذیر ہو تو اللہ کی تقدیر اور رضا کو تسلیم کرنا چاہیے۔ البتہ شک وشبہے اور اعتراض کے بغیر اگر کوئی کلمہ لَو (اگر، کاش) کہے تو وہ جائز ہے۔ (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم) امام قرطبی رحمہ اللہ کے آخری الفاظ سے یہ سبق اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شک واعتراض کے بغیر محض اپنی کوششوں اور لائحہ عمل کے تجزیے میں یہ کہنا جائز ہے کہ اگر میں یوں کرتا تو اچھا ہوتا اور بہتر ہوتا جب کہ حسرت سے نہ کیا جائے۔ واللہ اعلم

## حدیثِ مبارکہ کا خلاصہ

حدیثِ مبارکہ سے ملنی والی ہدایات چند نِکات کی صورت پیش کی جاتی ہیں:

۱: قوّت میں ایمانی واخلاقی کے ساتھ شریعت کی حدود کے اندر اندر مادی، تکنیکی، زرعی اور مالی واقتصادی طاقت وخوشحالی بھی شامل ہے۔

۲: مسلمان افراد کو قوی اور طاقت ور ہونا چاہیے کہ اسی سے طاقت ور اسلامی معاشرہ وجود میں آئے گا جو حقوق العباد، حقوق اللہ اور نصرت واشاعتِ دین کا فریضہ اچھی طرح ادا کر سکے گا۔ اسی طرح مسلمان ریاست کا

طاقت ور اور قوی ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ اندرونی سطح پر اپنی عوام کی بہتر خدمت کر سکے اور خارجی سطح پر اقوامِ عالم میں برابری کی سطح پر معاملہ اور اسلام اور مسلمانوں کے حقوق کا دفاع کر سکے۔

۳: جس طرح مسلمانوں کی ایمانی، روحانی اور اخلاقی تربیت ضروری ہے اسی طرح ان کی مادی و معاشی بہتری بھی ضروری ہے اور اُمت کے بہی خواہوں کو ان تمام میدانوں میں بہتری لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۴: انفرادی و اجتماعی طور پر بہتری کے لیے بطیبِ خاطر کوشش کرنی چاہیے اور اگر ایک کوشش ناکام ہو جائے تو خرابیٔ قسمت کو رونے اور کوسنے کے بجائے دوبارہ محنت کرتے ہوئے کوشش و عمل میں جت جانا چاہیے۔

* * * * *

گفتگو: ڈاکٹر رشید ارشد

ٹرانسکرپشن: عبداللہ جان

# ٹیکنالوجی نے ہمیں کیسے تبدیل کیا؟

قسط نمبر ۴

## ٹیکنالوجی کے بارے میں بندۂ مومن کا نقطۂ نظر

اب تک ہم نے یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ ٹیکنالوجی کو اہلِ مغرب کس طرح دیکھتے ہیں۔ اب ہم یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں ٹیکنالوجی کے بارے میں کیا تصور رکھنا چاہیے۔ ہماری بنیادی پہچان یہ ہے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے بندے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو رہنا ہے۔ ایک بدّو، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! اسلام کے قوانین مجھ پر زیادہ ہو گئے ہیں، میں ایک دیہاتی سا آدمی ہوں۔ میں کہاں اتنی باتیں یاد رکھوں گا، آپ مجھے کوئی ایسی مختصر بات بتا دیجیے جس سے میں چمٹ جاؤں۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «لا یزالُ لِسانُك رَطبًا مِن ذِكرِ اللهِ تعالى» ”تمھاری زبان برابر اللہ کی یاد سے تر رہے“۔ تو ہمارا دین ہم سے بہت کچھ تقاضا کرتا ہے اور ان تمام تقاضوں کا حاصل یہ ہے کہ ہم اللہ سے غافل نہ ہوں اور دوسری بات یہ ہے کہ ہم اس دنیا کو ”دارالغرور“ یعنی دھوکے کا گھر نہ بننے دیں۔ ہم اس وقت Technologically Mediated World میں رہتے ہیں۔ اس دنیا کے اندر دارالغرور بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى ٱلْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا﴾ ”اس زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اس کو زمین کے لیے زینت بنایا“۔ لیکن

Technological Mediated World Life میں تو بہت زیادہ ہی اس کا رنگ آگیا اور تعیش بہت زیادہ ہو گیا، تو اب ہم سے تقاضا یہ ہے کہ ہم اس دنیا کو دھوکے کا گھر نہ بننے دیں۔ ارشاد ہے: ﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللّٰهِ الْغَرُورُ﴾ "دیکھنا کہیں دنیا کی زندگی تمھیں دھوکے میں مبتلا نہ کرے اور سب سے بڑا دھوکے باز (شیطان) تمھیں اللہ (کی بندگی) کے بارے دھوکے میں نہ ڈال دے"۔

## ٹیکنالوجی کا اصل ہدف تین چیزیں

تین چیزیں ہمارے لیے بہت بڑی متاع ہیں: وقت، توجہ اور کشش۔ ماڈرن ٹیکنالوجی نے ان تینوں چیزوں کو بہت متاثر کیا ہے۔ دن کا کتنا بڑا حصہ اس ٹیکنالوجی کو بنانے اور اس کو استعمال میں کھپ جاتا ہے ہم سب اس سے واقف ہیں اور یہ معاملہ بہر حال خطرناک ہے۔ ہم صرف ٹیکنالوجی کے صارفین ہی نہیں موجد بھی بنتے جا رہے ہیں۔ آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ماڈرن ٹیکنالوجی میں پروڈیوسر اور کنزیومر کا فرق بھی ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اسی لیے اب ڈیجیٹل میڈیا میں کچھ پلیٹ فارمز پر اس کے لیے ایک لفظ Prosumer استعمال ہوتا ہے۔ یہ پروڈیوسر بھی ہیں اور ساتھ ہی کنزیومر بھی۔

جو لوگ ٹیکنالوجی یا انفارمیشن ٹیکنالوجی کی فیلڈ میں کام کرتے ہیں یا اس طرح کی دیگر فیلڈز میں، تو انھیں تجربہ ہے کہ یہ بہت وقت لینے والی چیزیں ہیں۔ ہمارے بزرگوں کا ایک بڑا مقصد "اِغتنام الاوقات" ہوتا تھا یعنی اپنے اوقات کو قیمتی بنانا، ان سے غنیمت حاصل کرنا۔ پہلے ہم کہیں پر بھی بیٹھے ہوتے تھے اور کچھ فرصت کے لمحات میسر ہوتے تو ذکر کرنے لگتے تھے یا کچھ مطالعہ کر لیتے تھے۔ اب کہیں پر بھی لوگ بیٹھے ہوں تو ایسے نہیں بیٹھتے، چند منٹ بھی ان کو بیٹھنا ہو تو سب اپنا موبائل نکال کر اس کے اندر مشغول ہو جاتے ہیں۔ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ یہ جو بظاہر ٹیکنالوجی کا ایک آلہ ہے، اس نے ہمیں بہت فوائد بھی دیے ہیں لیکن کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ ہمارے وقت کو کھاتا چلا جا رہا ہے۔ ٹیکنالوجی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے کتنا وقت بچایا ہے، پہلے لوگ اونٹوں اور گھوڑوں پر سفر کرتے تھے اور اتنا وقت لگتا تھا اور فلاں کام کرنے میں اتنے گھنٹے لگتے تھے، اب وہ منٹوں میں ہو جاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سارا وقت بچا کر

انسان نے کیا کیا؟ کیا اس وقت کو اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھانے میں استعمال کیا؟ کیا اس وقت میں انسانوں سے تعلق میں اضافہ کیا؟ یا پھر اس وقت کو اسی ٹیکنالوجی کے آگے نثار کردیا؟ یعنی جو وقت بچتا ہے وہ بھی تو اسی کے آگے ختم ہوجاتا ہے۔ اس ٹیکنالوجی ہی کو دیکھتے دیکھتے گھنٹے گزر جائیں گے اور آپ کو معلوم ہی نہیں ہوگا۔ آپ کو معلوم ہے کہ شطرنج کی حرمت پر ہمارے ہاں فتاویٰ دیے گئے، اس میں بھی یہ بات پیشِ نظر تھی کہ یہ ایک ایسا کھیل ہے جس میں آدمی بالکل گم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح یہ ماڈرن ٹیکنالوجی انسانوں کو ایسے اپنی گرفت میں لے لیتی ہے کہ اس کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا ہے۔

ٹیکنالوجی کا دوسرا ہدف 'توجہ' ہے۔ یہ بات آپ سب جانتے ہیں کہ اٹینشن اکانومی سب سے بڑی اکانومی ہے۔ موجودہ عالم "صورتوں کا عالم" ہے، اس امیج کلچر میں ہم سب کھو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا تھا کہ ہم حقیقت سے مناسبت پیدا کریں، لیکن ہم نے اتنی صورتیں بڑھالی ہیں کہ ہم حقیقت سے یا غیب سے متعلق ہونے کے قابل نہیں رہے۔ قاری طیب قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے: "تصویر قرآن کے آئینے میں" کہ جتنا زیادہ ہم تصویروں میں مشغول رہیں گے، ہماری توجہ صورتوں پر مرکوز رہے گی اتنا زیادہ ہم حقیقت سے بیزار ہوتے جائیں گے اور اتنا زیادہ ہم غیب سے تعلق قائم رکھنے کے قابل نہیں رہیں گے۔

تیسرا ہدف ہم نے ذکر کیا 'کشش'۔ ٹیکنالوجی کے ذریعے دنیا کی کشش میں غیر معمولی اضافہ کردیا گیا ہے۔ Rudolf Otto کی ایک کتاب ہے The Idea Of The Holy، یہ جو لوگوں میں ایک تقدیس کا تصور تھا اور اس میں پُر اسراریت ہوتی تھی، ایک دبدبہ ہوتا تھا اور یہ معبدوں، مسجدوں، کلیساؤں اور مندروں میں جاکر انسانوں کو حاصل ہوتی تھی اور ایک ہیبت طاری ہوجاتی تھی، اب یہ سارا گریٹجر لوگوں کو شاپنگ مالز اور اسٹیڈیمز کے اندر محسوس ہوتا ہے۔ جیسا کہ George Ritzer نے کہا کہ یہ شاپنگ مالز Cathedrals of Consumption ہیں۔ لوگ جب دبئی جاکر شاپنگ مالز دیکھتے ہیں تو حیران پریشان رہ جاتے ہیں۔ جو کچھ ٹیکنالوجی میں ان کو دکھایا جارہا ہے، وہ اس میں ایسا تعجب اور ایسی حیرانی ہے کہ اس سے کشش میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے۔ اس کا ایک سادہ سا تجربہ کرکے دیکھ لیں، آج سے کوئی چالیس پچاس سال پہلے کا کرکٹ میچ دیکھ لیں اور پھر آج کل کی وڈیو دیکھ لیں۔ یہ جو رنگ و نور اس کے اندر آگیا ہے

اب وہ کوئی سادہ کھیل تھوڑی رہا ہے، یوں کہیے کہ اب تو اسپورٹس اور انٹرٹینمنٹ کی شادی ہوگئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ٹیکنالوجی نے دنیا میں کشش کو بڑھا دیا ہے۔

## خمول

ہمارے بزرگوں میں ایک بہت بڑی قدر تھی جسے "خمول" کہا جاتا تھا۔ اس کا مطلب ہے "گمنامی" یعنی لوگ یہ چاہیں کہ ہم مشہور نہ ہوں، ہمیں شہرت حاصل نہ ہو۔ لیکن یہ جو ماڈرن میڈیا ہے، یعنی ڈیجیٹل اور الیکٹرانک میڈیا، یہ تو ایسے لگتا ہے کہ جیسے شہرت کے کارخانے ہیں اور اس میں آدمی ایک دفعہ چلا جائے، تو اسے خود اندازہ نہیں ہوتا کہ کتنی جلدی وہ اس جال میں آجاتا ہے۔ اور اس پھندے میں بہت سے علما بھی آجاتے ہیں۔ اس پر غور کرنا چاہیے کہ خمول کی قدر کیسے ختم ہوتی جا رہی ہے۔ تواضع اختیار کرنا یا شہرت سے بھاگنا، یا اپنی تعریف کو پسند نہ کرنا یہ اوصاف کیوں معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ جو سوشل میڈیا پر ہم ایک پوسٹ کرتے ہیں اور اس پر داد کے ڈونگرے برسنے شروع ہو جاتے ہیں، ہر طرف تعریفیں ہو رہی ہوتی ہیں، یہ ابنارمل ہے۔ یعنی اس دنیا سے آپ باہر نکل جائیں تو نارمل دنیا میں ہمارے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ یہاں چار شعر اور چھے اقوالِ زرّیں نقل کیے اور ہر ایک پر آٹھ دس بے وقوفوں نے آکر ستارے بنا دیے، ایک انجمنِ ستائشِ باہمی بنا رکھی ہے اور سب بے وقوف مل کر ایک دوسرے کو خوش رکھتے ہیں۔ من تورا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو۔

خاص طور پر وہ لوگ جو بہت زیادہ اس میڈیا کے سحر میں مبتلا ہیں، ایک تو وہ نرگسیت سے نہیں نکل پاتے اور دوسرا وہ بازاری پن سے نہیں بچ سکتے۔ یعنی ہم میں بعض ایسے علما اور مفتیانِ کرام بھی ہیں، ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ عام گفتگو میں وہ لطیفے سنائیں جو وہ اس میڈیا پر جا کر کر دیتے ہیں۔ اس لیے Marshall McLuhan نے کہا تھا The Medium Is The Message۔ اس میڈیم کے ساتھ کچھ چیزیں جڑی ہوئی ہیں جس سے ہم ان کو ہم نکال نہیں سکتے، مثلاً ٹی وی ہے، یہ انٹرٹینمنٹ کا بنیادی میڈیم ہے۔ اگر اس میں کوئی مذہبی پروگرام بھی آئے گا تو اگر وہ Entertaining نہیں ہے تو وہ نہیں چلے گا۔ اس کو انٹرٹینمنٹ کے انداز میں ہی آکر آپ کو بیان کرنا اور چلانا پڑے گا۔ اور اب یہ ذوق بلکہ بدذوقی بہت بڑھ گئی ہے کہ علما بھی

لطیفے سنائیں اور چٹکلے چھوڑیں اور پھر ان کا کلپ وائرل ہو جائے۔ ستم بالائے ستم کہ اسے مذہبی لوگ ہنستے مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کو بھیجنے لگیں، تو اس طرف لوگ سوچ ہی نہیں رہے کہ ان کی دینی اقدار کو اس سے کہاں کہاں پر نقصان ہو رہا ہے اور کہاں کہاں اسے ڈینٹ لگ رہا ہے۔

## حرفِ آخر

آپ جانتے ہیں کہ ٹیکنالوجی کے اندر مستقل بہتر سے بہتر ہونے کا معاملہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر آنے والی ایجاد پچھلی ایجاد سے بہتر ہے، ہر آنے والا زمانہ پہلے والے زمانے سے بہتر ہے۔ کبھی اسی پر غور کر لیں کہ ہمارے سلف سے جو ہمارا تعلق ہے، اس کو کیسے نقصان پہنچ رہا ہے۔ کبھی آپ اس پر غور کیجیے گا کہ آپ کے بچے جس ماحول اور جس طریقے سے پل رہے ہیں اور کس طرح gadget استعمال کر رہے ہیں، جب بڑے ہو کر ان کو یہ بتایا جائے گا کہ پیغمبر ﷺ کے پاس یہ سب ذرائع نہیں تھے، مجھے بہت ڈر ہے کہ پیغمبر کے بارے میں ان کی رائے بہت عجیب سی ہو جائے گی۔ بہت پریشانی بھی ہوگی اور خیال بھی ہوگا کے ان سب کے بغیر زندگی کا کیا مطلب ہے اور اس کے بغیر ذہانت کیسے اتنی ہو سکتی ہے۔ اس کے بغیر کوئی بڑا کام کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اس پر بھی کبھی غور کیجیے گا بقول C. S. Lewis کہ یہ Chronological Snobbery ہے، ہم اس کا شکار ہیں، یعنی جو چیز جتنی نئی ہے اتنی اچھی ہے، اور جو پچھلے زمانے کی چیزیں ہیں چاہے ٹیکنالوجی یا علم، وہ ادنیٰ ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ٹیکنالوجی کے اس دجل کو ہمیں سمجھنے کی توفیق دے اور اس کے فتنے سے ہمیں محفوظ رکھے، کوئی آدمی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ بالکل اس سے متاثر نہیں ہو رہا بلکہ ہم سب پر اس کا اثر ہو رہا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس کو ریگولرائز کرنے کی کوشش کریں، ہم جب کبھی اس کو استعمال کریں تو ایک حذر کے ساتھ۔ اسے ایک Inevitable چیز سمجھ کر نہ لیں اور اس کے اخلاقی پہلوؤں پر نظر رکھیں۔

*****

مولانا حماد احمد ترک

نائب مدیر ماہنامہ مفاہیم، کراچی

# شوکتِ سنجر و سلیم

قسط نمبر ۷

## ۱۱: سلیم خان ثانی (۱۵۲۴-۱۵۷۴ء)

سلطان سلیمان القانونی کی وفات کے بعد ۱۵۶۶ء میں سلطان سلیمان کے بیٹے سلیم خان عثمانی تخت کے وارث ہوئے۔ انھیں سلیم ثانی کا لقب دیا گیا۔ سلیم خان ثانی کی تعلیم و تربیت بھی سابقہ سلاطین کی طرح علمائے کرام کی نگرانی میں ہوئی۔ اپنے والد کے ساتھ کئی جنگوں میں حصہ لیا۔ ادب سے بہت لگاؤ تھا، خود بھی شعر کہتے تھے اور سلیمی تخلص کرتے تھے۔ لیکن تخت نشین ہونے کے بعد تمام عرصۂ حکومت میں کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ اس کے ممکنہ طور پر دو اسباب نظر آتے ہیں: ایک تو یہ کہ اس دوران اکثر جنگیں بحری محاذوں پر لڑی گئیں، جن میں عموماً سلطان کی شرکت ممکن نہیں ہوتی تھی۔ دوم یہ کہ اس میں بہت کچھ دخل سلیم ثانی کی نااہلی اور کوتاہی کو بھی ہے۔ گزشتہ قسط میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ سلیمان القانونی کے بعض فیصلے سلطنت کے لیے نہایت مضر ثابت ہوئے، لیکن سلیمان کے عہد میں ان کا اظہار نہیں ہو سکا۔ سلطنت کے زوال کی علامات سلیم ثانی کے عہد میں ظاہر ہونا شروع ہوئیں، لیکن اس دوران بھی بہت سے عہدے دار سلیمان القانونی کے دور کے تھے اس لیے ان کی تدبیر نے سلیم ثانی کی نااہلی پر پردہ ڈالے رکھا۔ انھی میں ایک نام وزیرِ اعظم صوقوللی پاشا کا ہے جن کے حسنِ انتظام سے سلطنت قائم و دائم اور مستحکم رہی۔ تمام فیصلے وزیرِ اعظم ہی کیا کرتے تھے، سلیم ثانی کی تخت نشینی کے محض دو سال بعد ہی صوقوللی پاشا نے روس پر حملے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔ اس زمانے میں روس ایک ابھرتی ہوئی طاقت ور ریاست تھی اور عثمانیوں کے بالمقابل آنے کی اہلیت رکھتی تھی۔ اس حملے میں

کامیابی تو نہ ہوسکی، لیکن روس کو دباؤ میں رکھنے میں یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ اس جنگ کے ایک سال بعد تیونس اور اس سے اگلے سال قبرص بھی عثمانی لشکر نے فتح کرلیا۔ قبرص کی فتح پر یورپ کی عیسائی سلطنتوں میں تشویش پھیل گئی، اور انھیں عثمانیوں کے توسیع پسندانہ عزائم سے خوف آنے لگا۔ چنانچہ انھوں نے عثمانیوں کی بحری طاقت کو توڑنے کے لیے ایک زبردست اتحادی لشکر تیار کیا۔ یہ لشکر کئی سو بحری جہازوں پر مشتمل ایک بیڑے کی صورت میں عثمانی بحری بیڑے کے بالمقابل آیا۔ عثمانی بحریہ میں موجود تجربہ کار مشیروں نے اس اتحادی لشکر سے جنگ نہ کرنے اور مزید تیاری کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن نوعمر اور ناتجربہ کار امیر نے جنگ شروع کر دی۔ جنگ کے نتیجے میں ترکوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ امیر البحر کو قتل کر دیا گیا۔ عثمانی جہاز عیسائیوں کے قبضے میں چلے گئے اور ۲۶۶ میں سے بہ مشکل چالیس جہاز واپس پہنچ سکے۔ عیسائی اتحادی اس پر بہت خوش ہوئے اور جشن کی تیاریاں ہونے لگیں۔ یہ شکست عثمانیوں کے لیے واقعی تباہ کن تھی لیکن سلطان سلیم خان ثانی نے اس نقصان کی تلافی کے لیے ذاتی رقم جاری کی اور محل کا باغیچہ نئے جہازوں کی تیاری کے لیے وقف کر دیا۔ اس اقدام سے بہت جلد عثمانی بحریے میں مزید ۱۶۸ جہاز شامل ہوگئے۔ بلا شبہہ یہ سلیم ثانی کا بڑا کارنامہ تھا۔ اس نئے بیڑے کے ساتھ عثمانی لشکر دوبارہ عیسائیوں سے مقابلے کے لیے روانہ ہوا، لیکن عیسائی اتحادی اس غیر متوقع تیاری سے مرعوب ہوگئے اور جنگ کے لیے نہ آسکے۔ اس واقعے کے بعد وینس کا سفیر حالات کا جائزہ لینے قسطنطنیہ آیا اور عثمانی بیڑے کی شکست پر اتراتے ہوئے اسے قبرص کا انتقام قرار دیا۔ اس پر وزیر اعظم نے تاریخی جواب دیا: ”تم سے قبرص چھین کر ہم نے تمھارا بازو کاٹ ڈالا جبکہ ہمارے بیڑے کو شکست دے کر تم نے گویا ہماری داڑھی مونڈھ دی، اور تم جانتے ہو کہ داڑھی بہت جلد اُگ آتی ہے اور پہلے سے زیادہ گھنی ہوتی ہے“۔

اس کے کچھ عرصے بعد ہی سلطان سلیم خان ثانی کا انتقال ہوگیا۔ سلطان سلیم ثانی بھی تعمیرات کا شوقین اور علم کا قدر دان تھا۔ مختصر سے عہدِ حکومت میں سلیم ثانی نے ادرنہ میں سلیمیہ مسجد تعمیر کروائی۔ آیا صوفیہ کی دیواروں کی مرمت کروائی اور وہاں ایک مدرسہ اور دو اذان خانے بنوائے۔ مکہ مکرمہ میں میں پانی کی متعدّد نالیاں جاری کروائیں اور مسجدِ حرام کی آرائش کا حکم دیا۔ آخر میں ایک اہم بات جس کا ذکر بہت ضروری ہے وہ یہ کہ بہت سے انگریز مؤرخین نے سلیم ثانی کو شراب کا عادی اور ہمہ وقت شراب نوشی ولغویات میں محو رہنے والا سلطان لکھا

ہے۔ اور افسوس کے ساتھ ہمارے وہ اردو مؤرخین جو عربی، فارسی اور ترکی زبان سے ناواقف تھے یا عرب وترک مؤرخین کو بھی انگریزی ترجمے کے ذریعے پڑھتے تھے، انھوں نے بھی اس جھوٹ کو اپنی کتابوں میں درج کر دیا۔ اس بے بنیاد الزام کو (جس پر کوئی دلیل انگریز مؤرخ پیش نہیں کرتے) ہم صرف اتنا کہہ کر رد کر سکتے ہیں کہ اس باب میں انگریزوں کی خبر ایک مخبرِ فاسق کی خبر ہے جسے بغیر تحقیق کے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ عرب اور ترک مؤرخین نے ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی بلکہ اس کی تردید کی ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور لکھی ہے کہ اگرچہ سلطان اس حرام کام میں مبتلا نہیں تھا لیکن سلیم ثانی کے عہد میں شراب نوشی ہونے لگی تھی۔ سرکاری عہدے دار اور امرا شراب نوشی میں مبتلا ہو گئے تھے اور یہ معاملہ اتنا بڑھ چکا تھا کہ انھیں روکنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس لعنت کو سلیم ثانی کے بیٹے مراد نے ختم کرنے کی کوشش کی۔ سلطان سلیم خان ثانی کو آیا صوفیہ کے احاطے میں دفن کیا گیا۔

## ۱۲: مراد خان ثالث (۱۵۴۶-۱۵۹۵ء)

سلطان مراد خان ثالث کم سنی سے ہی تعلیم و تعلم اور تصوف سے شغف رکھتے تھے اور کبار علما سے تحصیلِ علم میں مشغول رہتے تھے۔ علمِ تصوف سے خاص دلچسپی تھی اور انھوں نے تصوف پر ایک رسالہ بھی مرتب کیا۔ عربی اور فارسی سے بخوبی واقف تھے۔ عربی، فارسی اور ترکی تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ مرادؔ تخلص کرتے تھے۔ ان کی شاعری کے چار دیوان ان کے عمدہ ذوق کی عکاسی کرتے ہیں، جن میں سے دو ترکی اور دو عربی فارسی کی شاعری پر مشتمل ہیں۔ انتہائی نیک اور متقی انسان تھے۔ والد سلیم خان ثانی کی وفات پر ۱۵۷۴ء میں تخت نشین ہوئے۔ اس سے قبل مختلف خِطّوں پر والی کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے چکے تھے۔ تخت نشینی کے بعد پہلا اہم کام آپ نے یہ کیا کہ شراب نوشی پر پابندی عائد کر دی جس کا رواج سابقہ حکومت میں بہت بڑھ گیا تھا، خاص طور پر ینی چری میں شراب نوشی بکثرت ہونے لگی تھی۔ اس فیصلے پر ینی چری نے سلطان کے خلاف خوب محاذ آرائی کی (ینی چری کو عربی کتب میں انکشاریہ یا انکشار یین لکھا جاتا ہے)۔ سلطان مراد خان ثالث کو جو ریاست ملی وہ رشوت خوری اور بد عنوانی کے سبب غیر مستحکم ہو چکی تھی اور تیزی سے زوال کی جانب گامزن تھی۔ سلطنت کا انتظام یا تو حرم کی خواتین چلاتی تھیں اور بھاری رشوتوں کے عوض ذاتی پسند

ناپسند پر تقرری کی جاتی تھی یا پھر ینی چری کے فوجی دستے دھونس دھمکی سے اپنی مرضی کے فیصلے کرواتے تھے۔ وہ جسے چاہتے اسے ذمے داری ملتی اور جسے چاہتے اسے قتل کروادیتے۔ ان کا مطالبہ نہ ماننے کی صورت میں محل کا محاصرہ کرلیا جاتا اور وہ دھمکی دیتے کہ یا تو محل پر حملہ کردیا جائے گا یا ہماری مرضی کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ اور یہ صرف دار الحکومت میں ہی نہیں دوسرے صوبوں میں بھی اپنی مرضی کا حاکم مقرر کرواتے اور اس کے عوض بھاری رقم لیتے۔ یہ نااہل حکمران رشوت کی رقم عوام پر ظلم وستم کے ذریعے واپس وصول کرتے۔ ابتدائی کچھ عرصے میں جب تک صوقوللّی پاشا وزیرِ اعظم رہے نظام کچھ نہ کچھ بہتر رہا، لیکن پھر انھیں بھی ایک سازش کے ذریعے قتل کرادیا گیا اور سلطنتِ عثمانیہ تیزی سے زوال پذیر ہونے لگی۔ جا بجا بغاوتیں ہونے لگیں اور مخالفین اس موقعے سے فائدہ اٹھانے لگے۔ مراد ثالث کے عہد کے آغاز میں ہی ایران سے جنگ چھڑ گئی جو تقریباً تیرہ سال جاری رہی جس میں کبھی ترک اور کبھی ایرانی فتح یاب ہوتے رہے۔ بالآخر ۱۵۹۰ء میں دونوں کے درمیان صلح ہوگئی۔ اس صلح نامے میں ایک قابلِ ذکر دفعہ یہ بھی تھی کہ اہلِ ایران خلفاے ثلاثہ پر تبرا سے باز رہیں گے۔ اس عہد میں یورپی حکومتوں سے عموماً اچھے سفارتی وتجارتی تعلقات رہے۔ مرادِ ثالث کے عہد کے آخر میں ہنگری اور آسٹریا جنگ شروع ہوگئی جس میں عثمانیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ایران میں بھی حالات دگرگوں ہونے لگے۔ اسی دوران سلطان مراد خان ثالث انتقال کرگئے۔ انھیں آیا صوفیہ کے احاطے میں دفن کیا گیا۔

### ۱۳: محمد خان ثالث (۱۵۶۶ـ ۱۶۰۳ء)

سلطان محمد خان ثالث ابتدائی تعلیم وتربیت کے بعد سترہ سال کی عمر میں مانیسیا کے والی مقرر ہوئے اور امورِ سلطنت میں تجربہ حاصل کیا۔ ۱۵۹۵ء میں عثمانی تخت کے وارث ہوئے۔ انھیں بھی شاعری سے شغف تھا۔ اپنی شاعری میں عدلؔی تخلص استعمال کرتے تھے۔ سلطان محمد خان ثالث نے تھوڑے عرصے تک حکومت کی۔ ان کا دورِ حکومت انتشار کا شکار رہا، کبھی باغیوں کی شورش اور کبھی ینی چری کا فتنہ سلطنت کے استحکام میں آڑے آتا رہا۔ محمد ثالث کی والدہ صفیہ سلطانہ نے امورِ سلطنت میں بہت زیادہ مداخلت کی، جبکہ عثمانی افواج ہر محاذ پر شکست کھا رہی تھیں، والدۂ سلطان؛ محمد خان کو میدانِ جنگ سے باز رکھنے میں مصروف

تھیں۔ جب افواج کی شکست اور عیسائیوں کی یلغار بہت زیادہ ہوگئی تو سلطان بمشکل میدانِ جنگ میں جانے اور لشکر کی قیادت کرنے پر راضی ہوئے۔ اس عرصے میں ترک فوج ہنگری اور ولاچیا کے ہاتھوں ہزیمت اٹھاچکی تھی اور ایران سے جنگ جاری تھی۔ سلطان کی قیادت میں عثمانی افواج نے ایک خون ریز مقابلے کے بعد عیسائی لشکر کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا اور فتحِ مبین کے ساتھ قسطنطنیہ واپس پہنچا۔ یہ واقعہ ۱۵۹۶ء کا ہے۔ اس کے بعد سلطان کا باقی عہد بغاوتیں کچلنے میں گزر گیا۔ ان میں ایک نمایاں باغی ایشیاے کوچک کا ایک سردار عبدالحمید تھا جس نے ۱۵۹۹ء میں خود مختار حکومت کا اعلان کردیا۔ اس نے عثمانیوں کو کئی جنگوں میں شکست دی حتیٰ کہ صوقوللّی پاشا کے بیٹے حسن پاشا نے اسے شکست دی اور عبدالحمید قتل ہوا، لیکن اس کے بھائی ولی حسن نے بغاوت جاری رکھی اور اس حد تک قوت جمع کرلی کہ سلطان کو اس کے ساتھ صلح کرنی پڑی۔ ۱۶۰۳ء میں سلطان کی وفات ہوئی اور آیا صوفیہ کے احاطے میں دفن ہوئے۔ محمد خان ثالث وہ آخری عثمانی سلطان ہیں جنھیں تخت نشینی سے قبل کسی صوبے کی ولایت سونپی گئی۔ ان کے بعد عثمانی شہزادوں کے لیے یہ ضابطہ طے ہو گیا کہ وہ محل میں محصور رہیں گے اور وقت آنے پر ولی عہد کو سلطان بنایا جائے گا، باقی شہزادوں کی قسمت کا فیصلہ نئے سلطان کے ہاتھ ہوگا۔ غالبًا اس کی وجہ یہ تھی کہ کوئی شہزادہ بغاوت نہ کرسکے یا پھر کوئی باغی کسی شہزادے کو سلطنت کے دعوے دار کے طور پر استعمال نہ کرسکے۔

جاری ہے

## کتابیات

السلاطين العثمانيون، راشد كوندوغدو، الناشر: دار الرموز للنشر، إسطنبول، ۲۰۱۸ء

آلبوم پادشاہانِ عثمانی، مترجم: میلاد سلمانی، ناشر: انتشاراتِ قَقنُوس، استنبول، ۲۰۱۵ء

تاریخِ سلطنتِ عثمانیہ، ڈاکٹر محمد عزیر، ناشر: کتاب میلہ، ۲۰۱۸ء

سلطنتِ عثمانیہ، ڈاکٹر علی محمد الصلابی، مترجم: علامہ محمد ظفر اقبال، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، جون ۲۰۲۰ء

*****

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی
مدیر ماہنامہ مفاہیم و ناظمِ شعبہ تحقیق و تصنیف، فقہ اکیڈمی

# بیت المقدس کا تاریخی خاکہ

قسط نمبر ۲۱

## بلادِ شام صلیب کے سائے میں

### یہود و نصاریٰ کا گٹھ جوڑ

ہربرٹ سیموئل برٹش کابینہ کا ایک یہودی ممبر تھا۔ اس نے ۱۹۱۴ء میں برطانوی کابینہ کو یہود کی طرف سے یہ پیش کش کی کہ اگر برطانیہ جنگِ عظیم کے بعد یہود کی سرپرستی اور ان کے قومی وطن کی تشکیل کا وعدہ کرے تو یہودی برادری جنگ میں برطانیہ کی مدد کرے گی۔ برطانیہ نے اس پیشکش کو قبول کیا اور حکومتِ برطانیہ اور یہودیوں کا اشتراکِ عمل وجود میں آگیا۔ جنگِ عظیم کے دوران جنگی مہمات کے ساتھ ساتھ اتحادیوں میں اس نکتے پر طویل مشورے ہوتے رہے کہ سلطنتِ عثمانیہ کو شکست دینے کے بعد اس کے مقبوضہ علاقوں کی باہم تقسیم کیسے کریں گے۔ ان مشاورتوں میں ایک اہم مشاورت جنگِ عظیم کے دوران، ۱۶/ مئی/ ۱۹۱۶ء میں ہوئی جہاں برطانیہ، روس اور فرانس کے نمائندے جمع ہوئے اور ایک خفیہ معاہدے سائکس پیکو پر انھوں نے دستخط کیے۔ یہ معاہدہ ممکنہ فتح کے بعد بلادِ شام کی تقسیم سے متعلق تھا۔ اس میں طے پایا کہ شام کے علاقوں کو تین حصوں میں تقسیم کر کے برطانیہ، روس اور فرانس میں بانٹ دیا جائے گا۔ بلادِ شام کی یہ توڑ پھوڑ، مسلمانوں کی قُوت کو منتشر کرنے کے ساتھ ساتھ یہودی ریاست کے قیام کے لیے کی جانی تھی۔

## صلیبی فتح اور فوجی حکومت

شام پر برطانوی حملہ مارچ ۱۹۱۷ء میں شروع ہوا۔ برطانوی فوج کے ساتھ برطانیہ کے یہودی رضا کار فوجی دستے بھی شامل تھے۔ بعد میں جب امریکہ جنگِ عظیم میں شامل ہوا تو اس نے امریکہ، ارجنٹائین اور کینیڈا سے یہودی رضا کار فلسطین کی طرف روانہ کیے۔ بن گوریان وغیرہ نے ان دستوں کو منظم کیا اور یہ جنگ میں شامل ہوئے۔ انگریزوں کو شام میں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آہستہ آہستہ شہر فتح ہوتے رہے۔ یہاں تک ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو بیت المقدس فتح ہوا۔ چنانچہ برطانوی جنرل ایلن بی فاتحانہ شہر میں داخل ہوا۔ اس نے بدنامِ زمانہ بیان دیا کہ آج صلیبی جنگیں مکمل ہوگئی ہیں۔ ۱۱۸۷ء میں صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں فتح کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ یہاں یورپی تسلط قائم ہوا۔ جب انگریزوں نے شام پر قبضہ کیا تو انھوں نے یہاں ایک فوجی حکومت Occupied Enemy Territory Administration یعنی ہیئت انتظامی برائے دشمن مقبوضہ جات قائم کی جو برطانوی، فرانسیسی اور عرب افواج پر مشتمل تھی۔ عرب سے مراد شاہ فیصل ابن علی بن حسین شریف مکہ کی فوج ہے جو اس جنگ میں انگریزوں کا اتحادی تھا۔

## سان ریمو کانفرنس

نومبر ۱۹۱۷ء میں روس میں بالشویک انقلاب آگیا اور یہ ملک اندرونی خلفشار کا شکار ہو کر وقتی طور پر عالمی سیاست اور جنگِ عظیم سے دست بردار ہوا۔ اس کے بعد اتحادی مشاورتیں جاری رہیں یہاں تک کہ سان ریمو معاہدے میں سائیکس پیکو پر نظر ثانی کی گئی۔ اس کے نتیجے میں بلادِ شام کے شمالی حصے جن میں (سوریا) شام اور لبنان واقع ہیں فرانس کو دیے گئے جبکہ جنوبی حصہ یعنی اردن اور فلسطین برطانیہ کے قبضے میں دے دیے گئے۔

## جنگ میں امریکی شرکت اور بالفور ڈیکلریشن

برطانیہ اور فرانس کا اہم اتحادی روس، انقلاب کے بعد جب جنگ سے پیچھے ہٹ گیا تو اس موقع پر امریکہ کو جنگ میں شامل کرنا ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ مشہور برطانوی سیاست دان، سابقہ وزیر اعظم اور اس وقت کے

سیکرٹری خارجہ لارڈ آرتھر جیمز بالفور نے اپریل ۱۹۱۷ء میں امریکہ کا دورہ کیا جو بالفور مشن کہلاتا ہے، جس کے نتیجے میں امریکہ جنگ عظیم میں باضابطہ طور پر شامل ہوا۔ امریکہ کی اس حمایت میں یہودی کوششیں بھی شامل لگتی ہیں۔ اس دورے کے چند ماہ بعد فلسطین میں یہودی قومی وطن کے قیام کی ایک قرار داد صیہونی لیڈر رراتھ شیلڈ اور کیم وائزمین (جو بعد میں اسرائیل کے پہلا صدر بنا) نے تیار کی۔ ہربرٹ سیموئیل نے یہ قرار داد برطانوی کابینہ میں پیش کی، کابینہ کی منظوری کے بعد اس کی اطلاع کے طور پر لارڈ آرتھر بالفور نے مشہور بینکار اور برٹش یہودی کمیونٹی کے سربراہ روتھ شیلڈ کے نام ایک خط لکھا کہ حکومت برطانیہ فلسطین میں یہودیوں کا قومی وطن بسانے میں مدد کرے گی۔ اسی لیے یہ خط بالفور ڈیکلریشن کہلاتا ہے۔

## فوجی حکومت کا خاتمہ اور قانون انتداب

۱۹۲۰ء کے بعد مقبوضہ علاقوں میں فوجی حکومتیں ختم کر کے قابض ممالک کے تحت شہری حکومتیں قائم کردی گئیں۔ اس کے لیے لیگ آف نیشنز (۱۹۲۰ء۔۱۹۴۶ء) کے آرٹیکل ۲ کا سہارا لیا گیا جس میں قوموں کی آزادی کا احترام کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔ فرانس اور برطانیہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ چونکہ شامی ممالک ابھی آزادانہ رہنے کے قابل نہیں ہوئے اس لیے ہم ان ملکوں کا نظم ونسق چلائیں گے۔ گویا "آزادی سے رہنا سکھانے کے لیے انھیں کچھ عرصہ غلام بناکر رکھنا پڑے گا"۔ بہرحال لیگ آف نیشنز کی طرف سے برطانیہ اور فرانس کو یہ حق دیا گیا کہ جب تک مقبوضہ اقوام اپنے ملک کا نظم ونسق خود سنبھالنے کے قابل نہیں ہوتیں تب تک یہ ملک ان پر حکومت کریں گے اور جب یہ اقوام آزادی کے قابل ہو جائیں گی تب انھیں آزاد کر دیا جائے گا۔ یہ اصل میں فوجی استعمار کو سول لباس میں جاری رکھنے کا ایک حیلہ تھا جس نے فرنگیوں کو یہ موقع دیا کہ وہ اس خطے کے سیاسی خدوخال اپنی مرضی کے مطابق ڈھال کر اپنے مفادات کا طویل عرصے کے لیے تحفظ کر سکیں۔ فرنگی دورِ انتداب مختلف علاقوں میں بیس سے پچیس سال تک جاری رہا۔ اب ہم خطۂ شام کے تین بڑے ملکوں کا مختصر کرتے ہیں، اس کے بعد چوتھے یعنی فلسطین کا ذکر کریں گے۔ اس لیے کہ قضیۂ فلسطین کو سمجھنے کے لیے دیگر تین ملکوں کا تعارف بھی ضروری ہے۔

## شام

اس علاقے کو سوریا بھی کہا جاتا ہے۔ جنگِ عظیم اول میں جب انگریزوں نے اسے فتح کیا تو امیر فیصل بن حسین بن علی الہاشمی کی سرکردگی میں عربی فوج بھی ان کے ہمراہ تھی۔ انگریزوں نے امیر فیصل سے وعدہ کیا تھا کہ شام آپ کی عمل داری میں دے دیا جائے گا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ اتحادی شام کے حصے بخرے کررہے ہیں تو اس نے شام کے مختلف علاقوں کے نمائندے جمع کرکے ۱۹۱۹ء میں خود مختار متحدہ شام کا اعلان کردیا۔ ۱۹۱۹ء میں، حزب استقلال العربي کا قیام عمل میں لایا گیا۔ شام کے دیگر علاقوں کے مندوبین جمع ہوئے اور ایک مجلس وطنی تشکیل دے کر امیر فیصل کو دستوری بادشاہ مقرر کرلیا۔ اس کے بعد شام کی آزادی کے لیے بہت ساری جہادی و سیاسی تحریکیں چلتی رہیں جن کو دبانے کے لیے فرانسیسی فوجوں نے وحشیانہ اور انسانیت سوز جرائم اور مظالم کا ارتکاب کیا۔ جنگِ عظیم دوم کی ابتدا میں جرمنی کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانے کے بعد فرانس کچھ کمزور ہوا اور اس نے شام کو آزادی دینے کا اعلان کیا۔ چند سال بعد ۱۹۴۶ء میں اس اعلان پر عمل درآمد ہوا اور فرانسیسی قابض فوجوں نے شام سے انخلا مکمل کیا۔ (تاريخ العالم الإسلامي الحديث و المعاصر، ج:۱، ص:۱۴۱)

## لبنان

بلادِ شام کا ایک اہم خطہ لبنان تھا۔ یہاں مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں کی خاصی تعداد آباد تھی۔ اس کے علاوہ دروزی اور شیعہ مذہب کے ماننے والے بھی کافی تعداد میں پائے جاتے تھے۔ دروزی مذہب نے صلیبیوں کے ساتھ خاص تعلقات قائم کر رکھتے تھے اور یہ عثمانیوں کے خلاف ہمیشہ آمادۂ بغاوت رہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ دونوں گروہ آپس میں بھی لڑجایا کرتے تھے۔ ۱۶۳۵ء میں عثمانیوں نے دروزیوں کی بغاوت پر انھیں شکست دی اور ان کے اکابرین کو قتل کیا لیکن بعد میں یہ دوبارہ منظم ہوئے۔ سلطنتِ عثمانیہ کے کمزور ہونے کے بعد استعماری قوتیں یہاں مصروف عمل ہوگئیں۔ فرانس نے لبنان کے عیسائیوں کے ساتھ اتحاد کیا اور انگریز نے دروزیوں اور شیعہ سے گٹھ جوڑ کیا۔ ۱۸۶۰ء میں فرانس نے لبنان پر فوجی حملہ کیا جسے عثمانیوں نے پسپا کر دیا۔ فرنگی چالوں کے زیرِ اثر شیعہ اور عیسائیوں نے لبنان میں اودھم مچائے رکھا۔ عثمانیوں نے ان کو دبانے کی بہت

کوشش کی لیکن تنگ آکر لبنان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ شمالی حصے پر عیسائیوں جبکہ جنوبی حصے پر دروزیوں کو حکومت دے دی گئی۔ جنگِ عظیم اوّل کے بعد معاہدہ سائیکس پیکو کے تحت لبنان فرانس کے حوالے کر دیا گیا جس نے یہاں لولی لنگڑی جمہوریت قائم کی۔ ۱۹۴۳ء میں شام کی آزادی کے اعلان کے کچھ عرصہ بعد اسے آزاد کیا گیا۔ یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، لیکن ۱۹۳۲ء کی مردم شماری میں فرانس نے سنی اور شیعہ مسلمانوں کو الگ الگ گروہ شمار کیا اس طرح ان کا تناسب عیسائیوں کے مقابلے میں کم ہو گیا اور یہاں مخلوط حکومت بننے کا طریقہ رائج ہو گیا جو اب تک جاری ہے۔ یہاں کا صدر اور آرمی چیف عیسائی جب کہ وزیر اعظم اور اسپیکر، شیعہ و سنی میں سے بنائے جاتے ہیں۔ لبنان کی شیعہ جماعت حزب اللہ سیاسی اور عسکری طور پر کافی مضبوط ہے۔ اس کے کئی ارکان اب ایوان کا حصہ بھی ہیں۔ یہ ایران کی حمایت یافتہ، فلسطین دوست اور اسرائیل مخالف جماعت ہے۔

## اردن

عثمانی دور میں اردن شام کا حصہ تھا۔ یہ دریائے اردن کے کنارے واقع ہے اور اس کا زیادہ تر حصہ صحرائی ہے۔ جنگِ عظیم اوّل کے دوران عربی افواج اس علاقے کو فتح کرتے ہوئے شام پہنچی تھیں۔ امیر فیصل بن حسین بن علی نے جب شام پر اپنی حکومت قائم کی تو یہ علاقہ بھی شام ہی کے ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد جب فرانسیسیوں نے امیر فیصل کو شام سے بے دخل کر کے عراق کی حکومت اس کو عطا کی تو اس کے بھائی عبداللہ بن حسین بن علی نے یہاں پہنچ کر اردن کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ ۱۹۲۱ء میں اس وقت کے ”وزیر استعماریات برائے مشرقِ وسطیٰ“ ونسٹن چرچل نے فلسطین کا دورہ کیا اور یہاں عبداللہ بن حسین سے ملاقات کی اور اسے فلسطین کے برطانوی کمشنر کے ماتحت اردن کا حاکم مقرر کیا۔ سالانہ امداد اور فوجی مدد کی شرط پر اس نے عبداللہ بن حسین کو پابند کیا کہ وہ شام اور فلسطین کی حدود میں کوئی تجاوز نہیں کرے گا۔ عبداللہ نے ”شریف بچے“ کی طرح ان شرائط کو نبھایا۔ عبداللہ نے اردن کی سرکاری فوج بنانے پر کافی محنت کی۔ جنگِ عظیم دوم میں اس نے اتحادیوں کا ساتھ دیا۔ عبداللہ بن حسین یہودی ریاست کے خاتمے کو ناممکن سمجھتا تھا اس لیے اس نے شروع ہی سے یہودیوں سے دوستانہ پالیسی اپنائی اور اسرائیل سے

تعلقات قائم رکھے۔ کئی مواقع پر اس نے اسرائیل اور عربوں کے درمیان ثالث کا کردار بھی ادا کیا۔

جاری ہے

## کتابیات


تاریخ دولة عثمانية،يلماز اوزتونا، مترجم:عدنان محمود سلمان

السلطان عبد الحميد و هرتزل، دكتور بها الأمير

الدولة العُثمانية – عَوَاملُ النهُوض وأسباب السُّقوط، عَلي محمد محمد الصَّلاَّبي

القدس و المسجد الأقصى عبر التاريخ، دكتور محمد علي البار

المفصل في تاريخ القدس، عارف العارف

أسرار انقلاب عثماني، مصطفى طوران


*****

تحریر و تخریج: ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی
استاذ کمپیوٹر سائنس، ایم ٹی یو، آئرلینڈ

# معاشی آزادی، دولت کی غیر مساویانہ تقسیم اور کرپٹو کرنسی

عالمی سطح پر کرپٹو کرنسی کی تحریک چلانے والے معاشی آزادی پر بہت زور دیتے ہیں اور کرپٹو کرنسی پر مبنی معیشت کو معاشی آزادی میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ کرپٹو کرنسی ہمیں آزاد تجارت جو کہ حکومتوں کی اجارہ داری سے آزاد ہو کی بنیاد فراہم کرتی ہے جسے Free Market Fundamentalism Doctrine کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان میں سب سے اہم دعویٰ جو کیا جاتا رہا ہے وہ یہ کہ کرپٹو کرنسی کے اندر دولت کی مساویانہ تقسیم ہو گی یعنی کرپٹو کرنسی محض چند لوگوں کے پاس مرتکز نہیں ہو گی اور عوام اور ترقی پذیر ممالک سرمایہ دارانہ نظام کے دست نگر نہ ہوں گے۔

آسان الفاظ میں اگر ہم اصلی دنیا کی معیشت Real world economy کی بات کریں تو ۲۰۱۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق مجموعی طور پر ۳۸۸، افراد کے پاس آدھی دنیا سے زیادہ دولت تھی۔ (Global World Databook 2018) اور اگر ہم اصلی دنیا کی معیشت میں دولت کی تقسیم کے تازہ اعداد و شمار دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ دنیا کے اکثر ممالک میں دولت کی غیر مساویانہ تقسیم ہے اور ان ممالک میں دولت کا بڑا حصہ صرف چند فیصد لوگوں کے پاس ہی مرتکز ہے۔ (Global World Databook 2022) لہذا اس معاشی عدم مساوات کو دیکھتے ہوئے یہ دعویٰ کیا گیا کہ اصلی دنیا کی اس دولت کی غیر مساویانہ تقسیم کو ختم کرنے کے لیے کرپٹو کرنسی ایک نیا متبادل عالمی معاشی نظام وجود میں لائی ہے جس کے اندر دولت صرف چند افراد کے پاس مرتکز نہیں ہو گی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دعووں اور نعروں میں معاشی ماہرین کی نظر میں کتنی جان ہے ؟کیا یہ نعرے واقعی حقائق پر مبنی ہیں ؟نیز عالمی معاشی ماہرین ان دعووں کو سائنسی طور پر کیسے پرکھتے ہیں ؟سب سے اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا کرپٹوکرنسی اپنی موجودہ حالت میں ایک متبادل معیشت کا نظام دے سکتی ہے جس کے اندر دولت کی مساویانہ تقسیم ہو؟ جب ہم عالمی معاشی ماہرین اور محققین کی موجودہ سائنسی تحقیقات دیکھتے ہیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ سائنسی تحقیقات اور حقائق ان نعروں اور دعووں سے بالکل مختلف اور برعکس تصویر پیش کرتے ہیں۔

اگر ہم تاریخی طور پر دیکھیں تو معاشیات یا اقتصادیات کا ۱۹۶۹ء، ۱۹۷۱ء اور ۱۹۸۰ء کا نوبل پرائز جن ماہرینِ اقتصادیات کو ملا وہ اُن کی مجموعی طور پر ایکونومیٹریکس کے شعبے میں خدمات کی وجہ سے دیا گیا۔ انھی تینوں نوبل پرائز یافتہ اقتصادی ماہرین میں راگنر فرشچ (Ragnar Frisch) وہ ماہر اقتصادیات ہیں جنھوں نے ایکونومیٹریکس کی اصطلاح پہلی مرتبہ استعمال کی جو کہ اب باقاعدہ معاشیات کا علیحدہ شعبہ بن چکا ہے۔ ایکونومیٹریکس اکنامک تھیوری، ریاضیاتی معاشیات Mathematical Economics، شماریاتی اقتصادیات Statistical Economic اور ریاضیاتی شماریات Mathematical Statistics کے شعبوں کا انضمام ہے یعنی اس کے اندر ریاضیات اور شماریات کو استعمال کرتے ہوئے معاشی قوانین و تھیوریز، اقتصادی تعلقات اور معاشی اعداد و شمار کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔

ایکونومیٹریکس کی مدد سے دولت کی غیر مساویانہ تقسیم بھی معلوم کی جاسکتی ہے اور اس کے متعدّد طریقے سائنسی دنیا میں رائج ہیں جن میں سے مشہور Lorenz Curve اور Gini Coefficient ہے۔ Gini Coefficient کی ویلیو صفر اور ایک کے درمیان ہوتی ہے۔ Gini کی ویلیو "ایک" کا مطلب یہ ہے کہ ایک گھرانہ پورے ملک کی معیشت کو کنٹرول کرتا ہے یا ایک ہی گھرانے کے پاس ساری دولت ہے۔ اور "صفر" کا عدد دولت کی کامل مساویانہ تقسیم کو ظاہر کرتا ہے یا آسان الفاظ میں پورے ملک میں دولت ہر ایک پر مساویانہ طور پر تقسیم ہے یا تمام افراد کے پاس برابر مقدار کی دولت ہے۔

مضمون کے آغاز میں ہم نے جن دعووں اور نعروں کا ذکر کیا، ان کی اہمیت اور کرپٹو کرنسی کے وسیع عالمی پروپیگنڈہ مہم کی سنگینی کے پیشِ نظر ماہرین معاشیات نے ایکونومیٹریکس کی مدد سے کرپٹو کرنسی سے متعلق ان حقائق اور دعووں کی صداقت کو بھی جانچا ہے اور ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی تناظر میں ایک موقّر سائنسی جریدے میں چھپنے والی تحقیق کے اندر دنیا کی آٹھ بڑی کرپٹو کرنسیوں یعنی کرپٹو معیشتCrypto Economy کا اصلی دنیا کی معیشتReal World Economy کے ساتھ موازنہ کیا گیا ہے جس کا خلاصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:( Sai et al., Characterizing Wealth Inequality in Cryptocurrencies Frontiers in Blockchain, 2021)ان کرپٹو کرنسیوں میں بٹ کوائن Bitcoin، ڈوج کوائن Dogecoin، لائٹ کوائنLitecoin ، زیڈ کیش ZCash، ڈیش Dash، بٹ کوائن کیشBitcoin Cash، ایتھریم Ethereum اور ایتھریم کلاسک Ethereum Classic شامل ہیں۔ اس تحقیق کے لیے ان محققین نے ان آٹھ کرپٹو کرنسیوں کے جنوری ۲۰۲۱ء تک کے1.2 Tera Bytes ڈیٹا کو جس میں تقریباً1.84 Billion ٹرانزیکشنز تھیں کو استعمال کرتے ہوئے تجزیہ کیا ہے۔

یہ محققین لکھتے ہیں کہ اگر کرپٹو اثاثوں کی مدد سے ہم نے دولت کی غیر مساویانہ تقسیم کو معلوم کرنا ہے تو سب سے پہلے ہمیں کرپٹو اثاثوں کی ذاتی قدرIntrinsic value اور خارجی قدر Extrinsic valueکو دیکھنا ہوگا۔ چونکہ کرپٹو اثاثوں کی ذاتی قدر تو ہوتی نہیں لہذا ہم کرپٹو کرنسی کے تجزیے کے لیے خارجی قدر پر انحصار کریں گے اور وہ امریکی ڈالر کا ایکسچینج ریٹ ہے۔ پھر معاشی عدمِ مساواتEconomic inequality کو دو طرح سے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک دولت کی عدمِ مساویانہ تقسیمWealth inequalityاور دوسری آمدنی کی عدمِ مساویانہ تقسیم Income inequality۔ چونکہ آمدنی کی تقسیم کرپٹو معیشت سے براہ راست تعلق نہیں رکھتی لہذا ان محققین نے صرف دولت کی غیر مساویانہ تقسیم کا تجزیہ کیا ہے۔

کرپٹو کرنسی کے اندر آزاد تجارت اور پرائیویسی کی بات کی جاتی ہے لہذا کسی انفرادی شخص کی کرپٹو کرنسی کی ملکیت معلوم کرنا آسان نہیں ہوتا۔ در اصل کرپٹو کرنسیاں صارفین کو پرائیویسی مہیا کرنے کے لیے

Pseudo anonymity مہیا کرتی ہیں اور یہ کرپٹو کرنسیاں صارفین کو اتنی سہولت مہیا کرتی ہیں کہ وہ ہر ٹرانزیکشن کو کسی نئے ایڈریس سے کر سکیں۔ جب ایسا ہوتا ہے تو اس طرح سے ایک ہی صارف کی کئی ٹرانزیکشن مختلف ایڈریس سے ہوتی ہیں۔ لہذا یہ مشکل ہوتا ہے کہ ہم ایک ہی صارف کی مع اس کی شناخت کے تمام کرپٹو اثاثوں کی ملکیت معلوم کر سکیں۔ مگر کرپٹو کرنسی چونکہ عوامی کھاتے میں محفوظ ہوتی ہے لہذا اہم آسانی سے کم از کم ایڈریس کی حد تک تو معلوم کر سکتے ہیں کہ کس ایڈریس کے پاس کتنی کرپٹو کرنسی ہے۔ یہ تمام ایڈریس آپس میں کیسے لنک ہیں اور اس طرح کا تجزیہ کمپیوٹر محققین کرتے رہتے ہیں اور یہی طریقہ کار ان محققین نے بھی اختیار کیا ہے۔

اس سائنسی تحقیق کے اندر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کرپٹو کرنسی کے اندر دولت کی مساویانہ تقسیم اور ڈی سینٹر لائزیشن کی بات تو بہت کی جاتی ہے مگر کرپٹو کرنسی کے اندر جو دولت کی تقسیم ہے وہ اصلی دنیا کی معیشت کی طرح ہی ہے بلکہ اس سے بھی بری ہے۔ یعنی کہ مجموعی طور پر تقریبًا ایک فیصد سے بھی کم ایڈریس کے پاس بٹ کوائن کی اٹھاون فیصد، ڈوج کوائن کی چوالیس فیصد، لائٹ کوائن کی سینتیس فیصد، زیڈ کیش کی پینتیس فیصد، ڈیش کی چھے فیصد، بٹ کوائن کیش کی پچیس فیصد، ایتھریم کی چھیتر فیصد، اور ایتھریم کلاسک کی تینتالیس فیصد کرپٹو کرنسیوں کی ملکیت ہے۔ انھوں نے اس بات کو بھی ثابت کیا ہے کہ تین کرپٹو کرنسیوں یعنی ڈوج کوائن Dogecoin، زیڈ کیش ZCash، اور ایتھریم کلاسک Ethereum Classic میں اکیاون فیصد سے زیادہ دولت سو سے کم لوگوں (ایڈریس) کے پاس مرتکز ہے۔ لہذا مجموعی طور کرپٹو کرنسی میں دولت کی تقسیم سائنسی اعداد و شمار کے مطابق اصلی دنیا کی معیشت میں دولت کی تقسیم سے بھی بری ہے۔

ایک اور حالیہ سائنسی تحقیق کے مطابق بٹ کوائن لانچ ہونے سے لے کر بٹ کوائن کی قیمت ایک امریکی ڈالر تک، یعنی تقریبًا دو سال کا عرصہ، چونسٹھ لوگ وہ ہیں جنھوں نے زیادہ تر بٹ کوائن کو مائن کیا۔ (A. Blackburn, et al., Cooperation among an anonymous group protected Bitcoin during failures of decentralization, 2022) یعنی شروع کے دو سالوں میں

بٹ کوائن کی تمام دولت پر محض ان ٦٤ لوگوں کا قبضہ تھا۔ یہ بھی بٹ کوائن کے اس دعوے اور سوچ کے برعکس ہے جس کے اندر معاشی آزادی اور دولت کی مساویانہ تقسیم کی بات کی گئی ہے۔

سائنسی دنیا کے اندر آپ کو عالمی معاشی ماہرین اور کمپیوٹر سائنسدانوں کی ان گنت تحقیقات مل جائیں گے جن میں کرپٹوکرنسی سے جڑے دعووں کی حقیقت طشت ازبام کی گئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگرچہ اس وقت عالمی مارکیٹ میں بٹ کوائن ۴۰۰ بلین امریکی ڈالر سے زیادہ کا مارکیٹ کیپٹل ہے اور بٹ کوائن اور ایتھریم دنیا کی دو بڑی کرپٹوکرنسیوں میں شمار ہوتے ہیں مگر کرپٹوکرنسیاں اپنے دعوے کے برعکس معاشی آزادی اور دولت کی مساویانہ تقسیم صحیح طور پر حاصل نہیں کرسکیں اور کرپٹوکرنسیوں میں دولت کی غیر مساویانہ تقسیم ہے اور دولت محض چند لوگوں کے پاس مرتکز ہے۔ لہذا کرپٹوکرنسی سے متعلق جو دولت کی مساویانہ تقسیم کے دعوے کیے جاتے ہیں وہ سائنسی اور معاشی ماہرین کی نظر میں درست نہیں ہیں۔

* * * * *

فتاویٰ یسئلونک

دارالافتاء، فقہ اکیڈمی

# قرض دار پر قربانی

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام مسئلہ ہذا کے بارے میں کہ میرے پاس کمیٹی میں تقریبا ایک لاکھ پچاس ہزار جمع کیا ہوا ہے اور دو لاکھ ادھار ہے۔ مجھ پر قرض ہونے کی بنا پر بھی قربانی واجب ہے یا نہیں جبکہ میرے پاس گزر بسر کا کوئی بندوبست بھی نہیں ہے۔ کیا مجھے ادھار لے کر قربانی کرنی ہوگی؟

جواب: ذی الحجہ دسویں تاریخ کو اپنے مال کا حساب لگائیں۔ سونا، چاندی، نقدرقم، تجارت کی نیت سے خریدا ہوا مال اور ضرورت سے زائد سامان، ان میں سے جو کچھ آپ کی ملکیت میں موجود ہے، ان کی مجموعی قیمت لگا کر کمیٹی میں جمع شدہ رقم کو مجموعے میں شامل کریں، پھر آپ کے ذمے جو قرض ہے، اس کو اس مجموعے سے منہا (Minus) کریں، اس کے بعد بقیہ مال کو دیکھیں، اگر وہ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی) کے بقدر ہے تو آپ کے ذمے قربانی واجب ہے، اگر نصاب سے کم ہے تو آپ کے ذمے قربانی واجب نہیں۔

ولو كان عليه دين بحيث لو صرف فيه نقص نصابه لا تجب (الفتاوى الهندية (٥/ ٢٩٢)

والله اعلم بالصواب

* * * * *

مفتی اویس پاشاقرنی
ضبط وترتیب: مولانا محمد اقبال

# قربانی کے فضائل و مسائل

## شرائطِ قربانی

ہر عاقل بالغ مقیم مسلمان پر قربانی کرنا واجب ہے جبکہ اس کی ملکیت میں حاجتِ اصلیہ سے زائد ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کا مال موجود ہو۔ اب خواہ وہ مال سونا چاندی یا اس کے زیورات یا مالِ تجارت یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان یا مسکونہ مکان سے زائد کوئی مکان وغیرہ کی صورت میں ہو۔ ضرورت سے زائد گھریلو سامان سے وہ برتن وغیرہ مراد ہیں جو عموماً استعمال میں نہیں آتے۔ اگر ایک شخص کا مال غیر ملکی کرنسی کی صورت میں موجود ہے تو اس کا بھی اعتبار ہوگا۔ وجوب کے لیے اعتبار ۱۰ سے ۱۲ تاریخ تک کا ہوگا۔ اگر ان ایام میں کسی بھی وقت وہ صاحبِ وسعت تھا تو اس پر قربانی واجب ہو جائے گی۔ نیز اگر کسی کے پاس رہائشی مکان کے علاوہ مزید پلاٹ ہیں یا ضرورت کی سواری سے زائد سواری ہے تو اس پر بھی قربانی کرنا واجب ہے۔ مالِ تجارت چاہے جس بھی صورت میں ہو اگر اس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہے تو اس کا مالک صاحبِ وسعت قرار پائے گا۔ عوام میں یہ بات عام ہوگئی ہے کہ جس شخص پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے اس پر قربانی بھی واجب نہیں ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے اس مال پر سال کا گزرنا شرط ہے جبکہ قربانی کے وجوب کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ نیز زکوٰۃ صرف سونا، چاندی، نقدی و مالِ تجارت پر فرض ہوتی ہے جبکہ قربانی کے نصاب میں اور بھی کئی چیزیں شمار ہوتی

ہیں، جیسے کہ ماقبل مذکورہ شرائط سے واضح ہے۔اسی لیے فقہاے کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ صاحبِ نصاب پر فرض ہے جبکہ قربانی و صدقۃ الفطر صاحبِ وسعت پر واجب ہے۔ہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہے اس پر قربانی بھی واجب ہے۔

اگر کسی شخص پر اصلاً تو قربانی واجب نہ تھی لیکن اس نے قربانی کے ارادے سے کوئی جانور خرید لیا تو اب اس پر قربانی لازم ہوگئی۔ہاں اگر اس کا یہ جانور گم ہوگیا یا ضائع ہوگیا تو اس پر اب دوسرا جانور خرید کر اسے قربان کرنا واجب نہ ہوگا۔نیز اگر کوئی شخص خیر میں مزید آگے بڑھنا چاہے تو گھر کے بزرگوں، مرحومین، سلفِ صالحین اور نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف سے بھی قربانی کر دے۔یہ عمل اس قربانی کرنے والے اور جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے دونوں ہی کے لیے اجر کا باعث بن جائے گا۔

## قربانی کے جانور

یہ بات درست نہیں ہے کہ جو جانور حلال ہو اس کی قربانی بھی جائز ہو جاتی ہے۔بلکہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بالاہتمام ان جانوروں کو متعیّن فرما دیا ہے جن کو ذبح کرنے سے واجب قربانی ادا ہوتی ہے۔کُل چھے جوڑے ہیں جنھیں فقہاے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ذکر فرمایا ہے۔گائے بیل، بھینس بھینسا، اونٹ اونٹنی، بکرا بکری، دنبہ دنبی، بھیڑ اور بھیڑا۔ان میں سے پہلے چھے میں سات سات جبکہ بقیہ میں ایک ایک حصہ ہوتا ہے۔اگر بڑے جانور میں سات سے زائد حصے شمار کر لیے جائیں تو کسی ایک حصے میں بھی قربانی درست نہ ہوگی۔ایک اور شرط فقہا یہ بھی لگاتے ہیں کہ اگر بڑے جانور میں الگ الگ لوگ حصہ ڈال رہے ہوں تو سب ہی کی نیت تقرب کی ہونی چاہیے۔واجب قربانی، ایصالِ ثواب اور عقیقہ وغیرہ تقرب کے کاموں میں شامل ہے۔لیکن اگر اس کے علاوہ کسی بھی شخص نے تجارت یا گوشت ذخیرہ کرنے کی نیت سے حصہ ڈالا تو تمام ہی افراد کی قربانی فاسد ہو جائے گی۔اصل میں فقہاے کرام رحمۃ اللہ علیہم یہ اصول بیان فرماتے ہیں کہ قربانی کا جانور مالِ مشاع ہے۔یعنی یہ قابلِ تقسیم نہیں ہے۔ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی جانور میں چار حصے تو تقرب کے واسطے ہوں اور بقیہ تجارت کی خاطر۔اگر ایسا کیا تو وہ چار حصے بھی غیر معتبر قرار پائیں گے۔اسی بات سے ایک

اور مسئلہ نکلتا ہے: اور وہ یہ کہ اگر اجتماعی قربانی میں تساہل برتا جائے اور کوئی ایک فرد بھی اپنی حرام آمدن میں سے کسی جانور میں حصہ ڈال دے تو بقیہ شرکا کی بھی قربانی فاسد قرار پائے گی۔ آسان سا حل یہ ہے کہ حصہ لیتے وقت یہ اعلان کر دیا جائے کہ تمام شرکا اپنی حلال آمدن میں سے حصہ ڈالیں۔ اس کے بعد لوگوں کے ظاہری قول ہی پر اعتماد کر لیا جائے۔ زیادہ تفتیش میں پڑنا درست نہیں ہے۔ جو حضرات کسی ادارے کے تحت حصہ ڈالنے کا ارادہ رکھتے ہوں، ان پر شرعاً واجب ہے کہ کسی ایسے ادارے کا انتخاب کریں جہاں مسائلِ شرعیہ کی پابندی کی جاتی ہو اور مستند علماے کرام اور مفتیانِ عظام کی نگرانی میں تمام کام انجام دیا جاتا ہو۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو ایک عظیم عبادت کے ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے۔

اصول تو یہ ہے کہ جس پر قربانی واجب ہے وہ اپنے ہی مال میں سے اسے ادا کرے گا۔ لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اسے بتا کر اس کی طرف سے قربانی کر دے تو اس سے قربانی کا وجوب ساقط ہو جائے گا۔ خواہ اس نے وہ قربانی اپنے مال سے کی ہو یا اس شخص کے مال سے۔ مثلاً اگر کسی خاتون کی ملکیت میں اتنا زیور ہے کہ اس پر قربانی واجب ہو جائے لیکن اس کا شوہر اس کو اطلاع دے کر اس کی طرف سے قربانی کر دیتا ہے تو اب اس پر سے قربانی کا وجوب ساقط ہو جائے گا۔ اسی کو فقہاے کرام رحمۃ اللہ علیہم وکالت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس صورت میں بس موکل (جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے) کو اطلاع دے دینا لازمی ہے۔ کیونکہ اگر اطلاع نہ دی اور موکل نے اپنی واجب قربانی الگ سے ادا کر دی تو جس جانور میں وکیل نے موکل کے حصے کی نیت کی تھی اس کے تمام حصوں کی قربانی غیر معتبر قرار پائے گی اور تمام شرکا کی ایک عظیم عبادت ضائع ہو جائے گی۔

## شرکا کے مابین تقسیم

اگر بڑے جانور میں مختلف شرکا موجود ہیں تو قربانی کے بعد گوشت کو برابر تقسیم کرنا لازمی ہو گا۔ باقاعدہ تول کر تمام شرکا کو ان کا حصہ دیا جائے گا۔ کمی زیادتی سے گناہ ہو گا۔ البتہ اگر شرکا ایک ہی گھر سے ہیں اور سب ساتھ مل کر کھاتے ہیں تو اس صورت میں گوشت تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح اگر تمام شرکا الگ الگ بھی رہتے ہیں لیکن سب اس بات پر راضی ہو جائیں کہ گوشت تقسیم کرنے کی بجائے ایک جگہ پکا کر کھا لیا

جائے یا پورا صدقہ ہی کر دیا جائے تب بھی تقسیم کرنا لازمی نہیں ہے۔ البتہ اگر ایک فرد بھی اس پر راضی نہ ہو تو اب تقسیم کرنا لازم ہو جائے گا۔ جانور کے بقیہ حصے جنھیں تولنا ممکن نہ ہو انھیں اس طرح تقسیم کیا جائے کہ کوئی بھی معقول شخص اس تقسیم کو عدل پر مبنی شمار کرے۔ اگر کھال اور کلہ پائے گوشت کے ساتھ تقسیم کر دیے جائیں تو اب گوشت کو تولنا لازم نہ ہو گا۔ ایک شریک کو اگر کھال کے ساتھ کچھ گوشت دے دیا جائے اور بقیہ گوشت دوسرا شریک رکھ لے تو یہ بھی درست شمار ہو گا۔

## جانور کی شرائط

نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قربانی کے جانور خریدنے کے لیے یمن کی طرف روانہ کیا تو فرما دیا تھا کہ جانور کے کان، آنکھ اور دانت اچھی طرح دیکھ لیے جائیں۔ معلوم ہوا کہ ہر قسم کا معیوب جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ ان شرائط کو فقہاے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے جنھیں مدِّ نظر رکھتے ہوئے قربانی کا جانور خریدنا چاہیے۔ پہلی شرط جانور کی عمر سے متعلق ہے:

۱) بکرا، دنبہ اور بھیڑ اکم از کم ایک سال کا ہو۔ ۲) گائے اور بھینس کم از کم دو سال کے ہوں۔

۳) اونٹ کم از کم پانچ سال کا ہو۔

اگر کسی جانور کی عمر پورے ہونے کا یقین ہو تو اب اس کے دانت دیکھنے کی حاجت نہیں ہے، لیکن چونکہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا اسی لیے دانت دیکھ لینے کا بھی حکم دیا جاتا ہے۔ نیز دنبے اور بھیڑ میں علما نے ایک استثنا بیان کیا ہے کہ اگر وہ سال بھر کے نہ بھی ہوں لیکن ان کی عمر چھے ماہ سے زیادہ ہو اور وہ اتنے موٹے تازے ہوں کہ اگر سال بھر کے بھیڑ اور دنبوں میں چھوڑ دیے جائیں تو کم عمر نہ نظر آتے ہوں تو اس صورت میں ان کی قربانی بھی جائز قرار پائے گی۔

پھر نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کچھ ایسے عیوب بھی بیان فرمائے کہ جن کی موجودگی میں ایک جانور کی قربانی کرنا جائز نہیں ہوتی۔ یعنی عام حالات میں تو انھیں ذبح کر کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن قربانی کے لیے ان کو پیش کرنا جائز نہیں ہے۔ سنن ابی داؤد میں ارشادِ نبوی ہے: «أَرْبَعٌ لَا تَجُوزُ فِي الْأَضَاحِيِّ : فَقَالَ الْعَوْرَاءُ

بَيِّنٌ عَوَرُهَا، وَالْمَرِيضَةُ بَيِّنٌ مَرَضُهَا، وَالْعَرْجَاءُ بَيِّنٌ ظَلْعُهَا، وَالْكَسِيرُ الَّتِي لَا تَنْقَى» ”چار ایسے جانور ہیں جنھیں قربانی کی خاطر ذبح کرنا جائز نہیں ہے، ایسا کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو، ایسا بیمار جس کا مرض ظاہر ہو، ایسا لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور ایسا کمزور کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو“۔ حضراتِ فقہاے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ان عیوب کی مزید وضاحت فرمائی ہے۔ ایسا جانور جو اندھا ہو یا بالکل کانا ہو یا اس کی ایک آنکھ کی تہائی یا اس سے زیادہ روشنی جاتی رہی ہو یا اس کے ایک کان کا تہائی یا اس سے زیادہ حصہ کٹ چکا ہو یا دم کا ایک تہائی یا اس سے زیادہ حصہ کٹ چکا ہو یا وہ اتنا کمزور ہو کہ اس کی ہڈیوں میں بالکل گودا ہی نہ رہا ہو تو اس کی قربانی کرنا ناجائز ہے۔ اگر جانور دبلا ہو مگر اتنا زیادہ دبلا نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہوگی۔

اگر کسی جانور کے پیدائشی کان نہ ہوں تو اس کو بھی قربانی کے لیے ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر اس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں تو اس کی قربانی جائز ہے۔ اسی طرح اگر سینگ تھے لیکن ٹوٹ گئے تب بھی کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر سینگ جڑ سے ٹوٹا ہوا ہو یا اس طرح اکھڑا ہو کہ دماغ تک چوٹ کا اثر پہنچ جائے تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی جانور کے اکثر یا سارے دانت ٹوٹ گئے ہوں تو اس کی بھی قربانی جائز نہیں ہے۔ خصی جانور ذبح کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ افضل بھی ہے۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے خود بھی ایسے مینڈھے ذبح فرمائے تھے: «ذَبَحَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مُوجَأَيْنِ» ”نبی ﷺ نے بقر عید کو دو سینگ والے، چتکبرے، خصی مینڈھے ذبح کیے“۔

## قربانی کا وقت

تمام ہی مذاہبِ اسلامیہ میں قربانی کا وقت ۱۰ ذوالحجہ کو نمازِ عید کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے اختتامی وقت میں دو اقوال پائے جاتے ہیں۔ احناف، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ۱۲ ذوالحجہ کی مغرب سے پہلے پہلے تک قربانی کرنا جائز ہے۔ جبکہ شوافع کے نزدیک ۱۳ ذوالحجہ کا دن بھی ایامِ قربانی میں شامل ہے۔ فضیلت کے اعتبار سے ۱۰ ذوالحجہ کی قربانی اولیٰ ہے۔

جس بستی میں عید کی نماز نہ ہوتی ہو جیسے دیہات تو وہاں فجر کے بعد ہی سے قربانی کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن جہاں اس کا اہتمام ہوتا ہو جیسے شہر وہاں نماز کے بعد ہی قربانی جائز ہوگی۔ فقہا نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ بات لازمی نہیں ہے کہ قربانی کرنے والے شخص نے نماز ادا کرلی ہو بلکہ اگر پوری بستی میں ایک جگہ بھی نماز ادا ہوگئی تو اب قربانی کی جاسکتی ہے۔ البتہ اگر کسی نے اس سے پہلے جانور ذبح کردیا تو اس کی قربانی ادا نہ ہوگی اور اگر وہ صاحبِ استطاعت ہے تو اس پر ایک دوسری قربانی واجب ہوگی۔

## منت و وصیت کی قربانی

اگر کسی شخص نے قربانی کی منت مانی اور اس کا کام بھی پورا ہوگیا تو اب اس پر یہ قربانی کرنا واجب ہوگا۔ وجوب کی ایک قسم من اللہ ہوتی ہے جیسا کہ بقر عید کی قربانی کا معاملہ ہے۔ جبکہ وجوب ہی کی ایک دوسری قسم بھی ہے جو بندے کی اپنی طرف سے ہوتی ہے۔ البتہ منت کی قربانی میں ایک فرق ضرور واقع ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ اس کا گوشت صرف فقرا و مساکین میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اغنیا پر اس کا کھانا ممنوع ہے۔ بعینہٖ یہ حکم وصیت کی قربانی کا بھی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے ایک تہائی مال کے اندر اندر یہ وصیت کردی کہ ہر سال اس میں سے ایک قربانی کردی جائے تو اب ورثا پر اس وصیت کو پورا کرنا لازم ہوگا۔ اس قربانی کا بھی پورا گوشت فقرا میں تقسیم ہوگا۔ مزید برآں نفلی قربانی کے برعکس ان قربانیوں میں صرف ایک ہی نیت معتبر ہوتی ہے۔ یعنی منت و وصیت کی قربانی میں کسی اور نفلی قربانی کی نیت نہیں کی جاسکتی۔

## قربانی کی قضا

اگر کسی شخص پر قربانی تو واجب تھی مگر وہ کسی بھی وجہ سے اسے ادا نہ کرسکا تو اب اس پر ایک حصے کی کم از کم قیمت صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

## آدابِ قربانی

کسی بھی عمل کو بدرجہ احسن ادا کرنے کے لیے اس کے آداب کو ملحوظ رکھنا لازمی ہے۔ ہمارے اسلاف کا بھی یہ

ہی طرز تھا کہ وہ اپنے ہر عمل کو اس کے آداب بجالا کر مزین کیا کرتے تھے۔ قربانی بھی ایک عظیم عبادت ہے اور جو شخص بھی اسے سرانجام دے رہا ہو اسے چاہیے کہ اس کے تمام آداب کو ملحوظِ خاطر رکھے تاکہ اللہ کے یہاں مکمل اجر پا سکے۔ سب سے پہلے دل میں قربانی کی نیت کر لینی چاہیے۔ زبان سے کچھ کہنا لازمی تو نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص یکسوئی کی خاطر کچھ کلمات بھی ادا کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ ذبیحے پر بِسْمِ اللهِ اَللّٰہُ أَکْبَرُ زبان سے پڑھنا لازمی ہے، اس کے بغیر جانور حلال نہ ہوگا۔ جانور کو ذبح کرنے کے وقت قبلہ رو لٹانا بھی قربانی کے آداب میں شامل ہے۔ جانور کو لٹانے کے بعد ابنِ ماجہ میں وارد یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ * قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ * لَا شَرِيكَ لَه وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ * اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِه ”میں اس ذات کے لیے یکسو ہوتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، بلا شبہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو کہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، اے اللہ (یہ توفیقِ قربانی) تیری طرف سے ہے اور (یہ قربانی) تیرے ہی لیے ہے اور (یہ قربانی) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی طرف سے ہے“۔ پھر بسم الله الله اکبر ”کہہ کر ذبح کریں، اور ذبح کرنے کے بعد اگر یہ دعا یاد ہو تو پڑھ لیں: اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَ خَلِيْلِكَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ. ”اے اللہ! تو مجھ سے بھی یہ قربانی اسی طرح قبول کر لے جس طرح تو نے اسے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام سے قبول فرمالیا تھا“۔ اگر ذبح کرنے والا کسی اور کا جانور ذبح کرے تو مِنِّي کی بجائے مِنْ کے بعد جس کی قربانی ہے اُس کا نام لے، اگر گائے ہے تو مناسب یہ ہے کہ تمام حصے داروں کے نام لے۔ جانور کو کچھ دن پالنا بھی افضل ہے۔ مزید برآں چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کرنے میں بھی احسان کا حکم دیا ہے، اسی لیے چاہیے کہ ذبح کرنے سے قبل چھری خوب تیز کر لی جائے اور ایک جانور کو دوسرے کے سامنے نہ ذبح کیا جائے۔ اسی طرح ذبح کرنے کے بعد جانور کو ٹھنڈا ہونے دیا جائے اور جب پوری جان نکل جائے تب کھال اتاری جائے۔ اپنی قربانی کو خود ذبح کرنا

اولیٰ ہے لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم اس وقت وہاں حاضر رہنا چاہیے۔

## گوشت کی تقسیم

ویسے تو یہ بات جائز ہے کہ ایک شخص پورا کا پورا گوشت ذخیرہ کرلے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے بنا لیے جائیں، ایک اپنے استعمال کے لیے، ایک رشتے داروں کے لیے اور ایک فقرا و مساکین کے لیے۔ البتہ اس کے برخلاف بھی تقسیم جائز ہے۔

## کھال کے احکام

جاننا چاہیے کہ جانور کے تمام اعضا و اجزا کے مصارف طے ہیں۔ یہاں تک کے وہ شے جس کو نمائش و آرائش کی خاطر جانور پر باندھا گیا ہو اسے بھی فروخت کرکے اس کی قیمت استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ فقہا نے تو یہاں تک صراحت فرمائی کہ جانور کی رسی بھی فروخت کرنا یا اجرت پر دینا جائز نہیں ہے۔ بعینہ یہ حکم کھال کا بھی ہے۔ اسے خود استعمال میں لانا یا صدقے میں دے دینا یا کسی کو تحفتاً دے دینا تو جائز ہے لیکن اسے فروخت کرکے اس کی قیمت استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح قصائی کو اجرت پر کھال دے دینا بھی ناجائز ہے۔ اگر ایسی غلطی کردی تو کھال کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہوگی۔ ایک بات یہ بھی واضح رہنی چاہیے کہ کھال کو مسجد مدرسے وغیرہ کی تعمیر میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ کھال کی قیمت کو بھی زکوۃ کی مانند فقرا کی ملکیت میں دینا شرط ہے۔ ہاں کسی مدرسے کے طلبہ اگر مستحق زکوۃ ہوں تو ان کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ میں کھال کی قیمت کو استعمال کرنا درست ہے۔ اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ کھال ایسی جگہ دی جائے جہاں مستند علمائے کرام کی نگرانی میں کام ہوتا ہو تاکہ اس عظیم عبادت میں کوئی نقص نہ آنے پائے۔

* * * * *

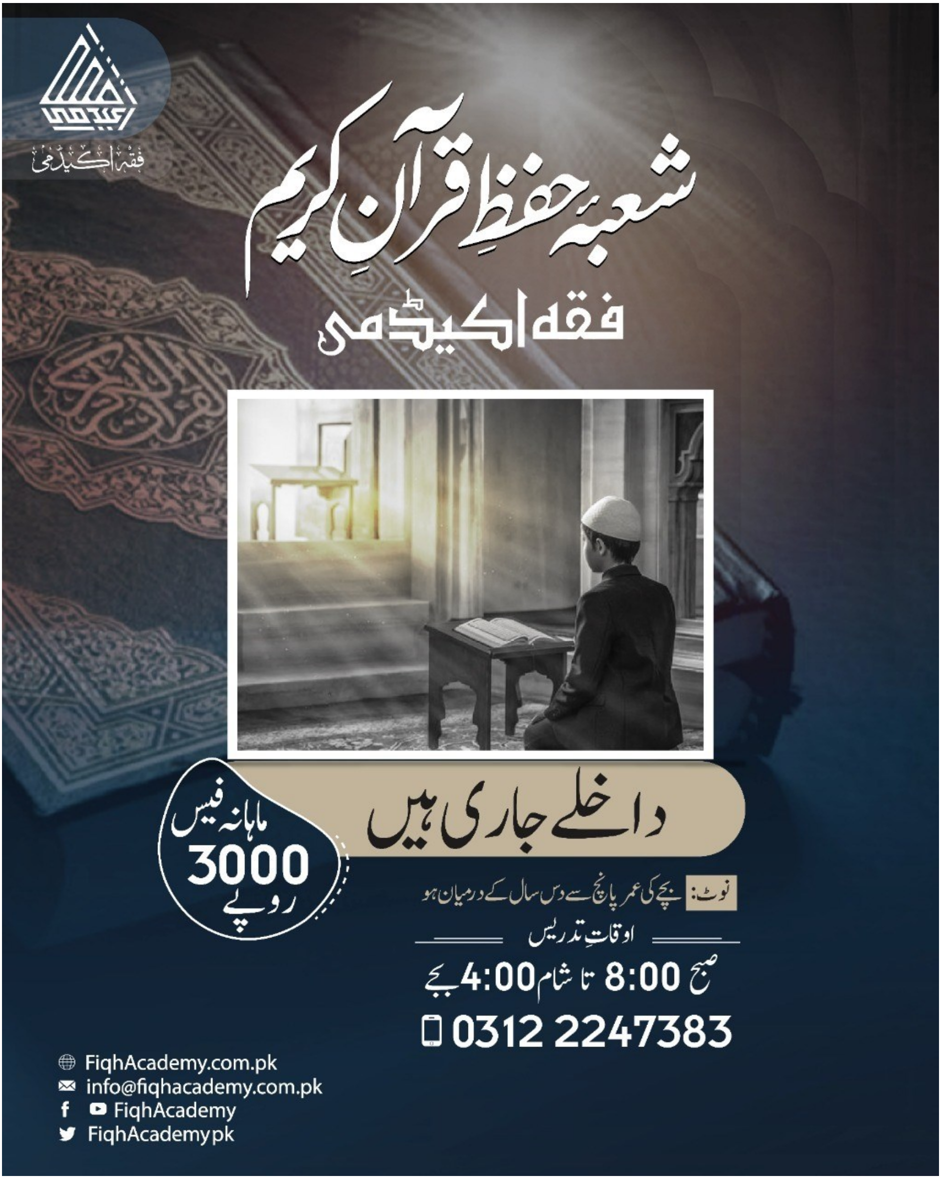
فقہ اکیڈمی
شعبہ حفظِ قرآنِ کریم
فقہ اکیڈمی
داخلے جاری ہیں
ماہانہ فیس
3000
روپے
نوٹ: بچے کی عمر پانچ سے دس سال کے درمیان ہو
اوقاتِ تدریس
صبح 8:00 تا شام 4:00 بجے
0312 2247383
FiqhAcademy.com.pk
info@fiqhacademy.com.pk
FiqhAcademy
FiqhAcademypk

فقہ اکیڈمی

# شعبۂ ناظرہ

## فقہ اکیڈمی

آیئے اور قرآنِ مجید تجوید کے ساتھ پڑھنا سیکھیے

**بچوں اور بچیوں کے لیے**

دوپہر 2:30 تا شام 4:30

ایام پیر تا جمعہ

**داخلے جاری ہیں**

برائے رابطہ 0312 2247383

فقہ اکیڈمی
C-335، بلاک-1، گلستانِ جوہر،
بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ

ماہ نامہ

# مفاہیم

فقہ اکیڈمی کا ترجمان


فقہ اکیڈمی C-335، بلاک-1، گلستانِ جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ

fiqhacademy.com.pk info@fiqhacademy.com.pk FiqhAcademy

FiqhAcademy FiqhAcademyPK fiqhacademy +92 330 3474223